دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

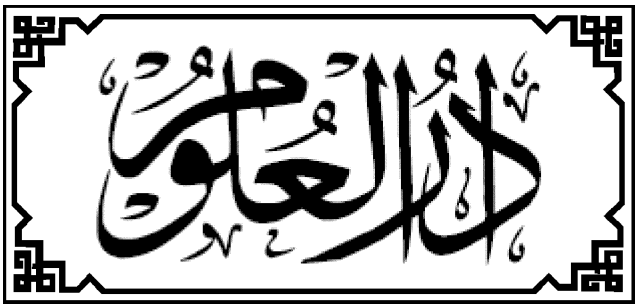

جلد: ۹۴	جمادی الاوّل- جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ مطابق مئی ۲۰۱۰ء	شمارہ: ۵

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند- ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ-/۱۵ روپئے، سالانہ-/۱۵۰ روپئے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ-/۱۱۰۰ روپئے
بنگلہ دیش سے سالانہ-/۵۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم-/۵۰۰ روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	نوجوان نسل کی ذمہ داری.....	محمد عظیم قاسمی فیض آبادی	۶
۳	ہندوستان میں مسلمانوں کا نصاب تعلیم	محمد اللہ خلیلی قاسمی	۱۲
۴	بزرگوں سے اصلاحی تعلق قائم کیجئے!	مفتی تنظیم عالم قاسمی	۱۸
۵	تعصب ناسور سے بھی بدتر ہے	مفتی محمد شاہد	۲۵
۶	اصحاب رسول ﷺ کی عظمت شان	ڈاکٹر علامہ خالد محمود	۳۹
۷	یمن کے گورنر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	حمید اللہ قاسمی	۴۳
۸	میرے قابل احترام اساتذۂ کرام	مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی	۴۶
۹	ذکر نصیر	ولی اللہ ولی قاسمی بستوی	۵۴
۱۰	مکتوب حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہٗ	.....	۵۶

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

قرآن حکیم خیر کا سرچشمہ ہے۔ جتنی اور جیسی خیر تم اس سے مانگو گے یہ تمہیں دیگا تم اس سے محض جن بھوت بھگانا اور کھانسی بخار کا علاج اور مقدمہ کی کامیابی اور نوکری کا حصول اور ایسی ہی چھوٹی چھوٹی ذلیل بے حقیقت چیزیں مانگتے ہو تو یہی تمہیں ملیں گی اگر دنیا کی بادشاہی اور روئے زمین کی حکومت مانگو گے تو وہ بھی ملے گی اور اگر عرش الٰہی کے قریب پہنچنا چاہو گے تو یہ تمہیں وہاں بھی پہنچائے گا یہ تمہارے اپنے ظرف کی بات ہے کہ سمندر سے پانی کی دو بوندیں مانگتے ہو ورنہ سمندر تو دریا بخشنے کے لیے بھی تیار ہے اجتماعی ترقی کے علاوہ قرآن نے ذاتی اور انفرادی سربلندی بھی بخشی ہے عامر بن واثلہ ابی الطفیل سے روایت ہے کہ نافع بن عبدالحارث عمر بن الخطاب سے عسفان کے مقام پر ملے۔ حضرت عمر نے ان کو مکہ کا امیر مقرر کیا تھا۔ پوچھا کہ اہل مکہ پر اپنی جگہ امارت پر کس کو چھوڑ کر آئے ہو نافع نے جواب دیا کہ ابن ابزی کو۔ خلیفہ دوم نے فرمایا کہ یہ ابن ابزی کون ہیں؟ نافع نے جواب دیا کہ ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک غلام ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا تم اہل مکہ پر غلاموں کو امیر و حاکم کر آئے ہو؟ نافع نے جواب دیا کہ ہاں اس لیے کہ وہ کتاب اللہ کا قاری اور فرائض وعلوم قرآنی کا عالم ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ٹھیک ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "ان اللّٰہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع به آخرین"

چنانچہ استیعاب میں علامہ ابن عبدالبر کو عبدالرحمٰن بن ابزی کے بارے میں یہ فقرہ لکھنا پڑا "وقال فیه عمر بن الخطاب عبدالرحمٰن بن ابزی ممن رفعه اللّٰہ بالقرآن" حضرت عمر کا ارشاد ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابزی ان لوگوں میں ہیں جن کو قرآن نے بلند مرتبہ پر پہنچایا۔ خوب سمجھ لیجئے کہ اللہ کا کلام انسان کے پاس اس لیے نہیں آتا کہ وہ بدبختی نکبت اور مصیبت میں مبتلا ہو۔

طٰہٰ o مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰی ۔ترجمہ یہ ہے کہ اس واسطے نہیں اتارا ہم نے تجھ پر قرآن کریم تو محنت میں پڑے۔ فی الحقیقت قرآن محنت اور شقاء نہیں ہے رحمت اور نور ہے۔ سعادت اور نیک بختی کا سرچشمہ ہے، شقاوت اور بدبختی کا ذریعہ نہیں ہے پس جو قوم خدا کی کتاب رکھتی ہو اور پھر بھی ذلیل وخوار ہو، محکوم ومغلوب ہو تو سمجھ لیجئے کہ وہ ضرور کتاب الٰہی پر ظلم کررہی ہے نجات کی صورت صرف یہ ہے کہ اس کی کتاب کے ساتھ ظلم کرنا چھوڑ دیا جائے اور اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کی جائے، مگر ہو کیا رہا ہے؟ ہو یہ رہا ہے کہ آج ہر جماعت انبیاء کے راستہ کو چھوڑ کر گمراہ قوموں کی راہوں کو اختیار کرچکی ہے۔ وضع وقطع، تراش وخراش، صورت وسیرت، تعلیم وتربیت، تہذیب وتمدن اخلاق وعادات رفتار وگفتار، تجارت واقتصادی معاملات اور حکومت وسلطنت غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اس کا رخ قرآن اور صاحب قرآن سے بالکل ہٹا ہوا ہے یہ زبان سے تو کہتے ہیں کہ منھ میرا کعبہ شریف کی طرف لیکن رفتار کی سمت لندن، پیرس، ماسکو، برلن اور نیویارک ہے۔ قاعدہ ہے جب کسی قوم کو اپنے نظام زندگی سے بےخبری اور علم سے بے بہرگی ہوجاتی ہے اور اپنے یقینیات وایمانیات مشکوک ہوجاتے ہیں اور دوسری قوم کے رسم ورواج اور ظنیات دل میں گھر جاتے ہیں تو اس قوم کا ہیولیٰ تبدیل ہوکر اوپر سے بظاہر وہی قوم معلوم ہوتی ہے لیکن اندر سے وہ دوسری قوم بن جاتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال مسلمانوں کا ہے آج گمراہ قوموں اور فرقوں کی ایجاد واختراع، دولت وطاقت حکومت وسلطنت کی ظاہری چمک دمک نے ہماری آنکھوں کو خیرہ کردیا ہے۔ ان کی عریانی وبے پردگی، ان کی نفس پرستی وہوس ناکی خود پسندی ان کے تکبر واستکبار، ان کے کفر وعصیان کی ہر تصویر ہمارے دل کو پسند، ہمارے بچے جوان بوڑھے عورت اور مرد ہر ایک اسی کوشش میں ہے کہ ان گمراہ قوموں کے اس مشترک پیدا کردہ تہذیب وتمدن، طور وطریق، شکل ولباس، تعلیم وتربیت کی راہوں کی اقتدا کی تیز سے تیز دوڑ میں دوسروں سے آگے بڑھ جائے۔ اناللہ الخ۔

قرآن حکیم اتباع شریعت پر زور دیتا اور اتباع خواہشات وبدعات کی مذمت کرتا ہے اور دونوں کو ایک دوسرے کا مخالف قرار دیتا ہے، راہِ ہدایت پکارتی ہے کہ اس راہ پر چلو راستہ یہ ہے کہ محدثات وبدعات اور خواہشات مچلنے لگتی ہیں اور طرح طرح کی رکاوٹیں سامنے لے آتی ہیں ''ھدی'' ایک آسمانی آئین ہے اس کے اتباع اور پیروی کرنے اور مان لینے میں محکومیت کا داغ لگتا ہے اور ''ھوی'' اپنے ہی نفس کے جذبات ہیں اس کے مان لینے میں حاکمیت کا مزہ آتا ہے۔

خواہشات اور اَہویٰ کا محرک چونکہ خود نفس انسانی ہے اس لیے وہ جسم انسانی میں جان کی طرح سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے اس لیے ان کا خلاف اتنا ہی مشکل ہوتا ہے جتنا کہ جسم کو جان کا۔ اور جب کبھی ان پر قرآن وحدیث کا ملمع چڑھ جاتا ہے تو اب وہ ''ہوی'' یعنی بدعات وخواہشات ٹھیک ''ہدیٰ'' یعنی شریعت کی صورت نظر آنے لگتی ہے اور اس حد پر پہنچ کر انسان اپنے اندر اتنا سکون محسوس کرتا ہے کہ حق کی تلاش کا لفظ بھی سننا گوارہ نہیں کرتا اس لیے یہاں اب توبہ کی بھی امید نہیں رہتی۔ توبہ کی توفیق اس وقت ہوسکتی ہے جب کہ قلب کا گوشہ ''ہوی'' یعنی بدعات وخواہشات مذمومہ سے خالی ہو۔ آیت ذیل میں اس کی جانب اشارہ ہے۔

اَفَرَءَ یْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصرِهٖ غِشَاوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (جاثیہ)

بھلا تو نے اس کو دیکھا جس نے اپنا معبود بنالیا اپنی خواہش کو اور اس کو گمراہ کردیا اللہ نے علم ہوتے ہوئے اور مہر لگادی اس کے کان اور دل پر اور پیدا کردیا اس کی آنکھ پر پردہ تو اس کو کون راہ پر لائے اللہ کے سوا سو کیا تم سوچتے نہیں۔

سورہ جاثیہ کی اس آیت کو اوپر سے پڑھیے تو بات صاف ہوجاتی ہے کہ اختلافات اور فرقہ وارانہ کشمکش کی موجودگی میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو بھی چاہیے کہ شریعت کے راستہ پر برابر مستقیم رہے کبھی بھول کر بھی جاہلوں اور نادانوں کی خواہشات پر نہ چلے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ ایسے لوگوں کی استعداد خراب ہے اور وہ اس قابل ہیں کہ سیدھی راہ سے بھٹکتے پھریں۔ اللہ بھی اس کو اس کی اختیار کردہ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ پھر نہ کان نصیحت سنتے ہیں نہ دل سچی بات کو سمجھتا ہے نہ آنکھ سے بصیرت کی روشنی نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ جس کو اس کی کرتوت کی بدولت ایسی حالت پر پہنچادے کون سی طاقت ہے جو اس کے بعد اسے راہ پر لے آئے۔

❁ ❁ ❁

نوجوان نسل کی ذمہ داری اسوۂ نبی اکرم ﷺ کی روشنی میں

از: محمد عظیم قاسمی فیض آبادی
استاذ المعہد العلمی الاسلامی دیوبند

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے کہا تھا۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

تقدیر ملت کے ان ستاروں کی روشنی اور اس کی کرنیں اس وقت تک آب وتاب اور پورے چمک دمک کے ساتھ برقرار رہتی ہیں، جب تک یہ عہد شباب کی منزلوں کے رہ گذر میں واقع کہکشاؤں کے مسافر ہوں جس طرح آسمان کی بلندیوں پر تابندہ روشن ستاروں کی تابندگی ان کی ذاتی نہیں بلکہ سورج کی روشنی سے مستفاد ہوتی ہے بعینہٖ اسی طرح تقدیر ملت کے ان ستاروں کی روشنی بھی اس کی ذاتی نہیں ہوسکتی اس کے لئے استفادۂ نور کا کوئی ''منبع ومرکز'' اگر ممکن ہے تو وہ نورِ نبوت اور مشکوٰۃ نبوی (ﷺ) ہوسکتا ہے یہی وہ چراغ اور سراج منیر ہے جس سے نورِ ہدایت پھوٹتے ہیں اور جس سے نورِ ہدایت اور جس کی دمکتی ہوئی روشنی میں صراط مستقیم کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہی وہ بحر ذخار ہے جس سے زندگی کی خشک وبنجر زمین کو سیراب کرکے قابل کاشت بنایا جاسکتا ہے یہی مقام انسانیت کے خزاں رسیدہ چمن کے لیے غازہ بہار ہے اور مایوس انسانیت کے لئے آس وامید کی کرن ہے اور فقط نبوت ہی ہے جس کے خورشید منور کی ضیاپاش کرنوں سے بزم انسانیت کی تاریکیوں اور ظلمتوں کا دور ختم ہوکر صبح سعادت کا آغاز ہوتا ہے۔

علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا کہ۔

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کردیا — دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کردیا
جو نہ تھے خود راہ پر غیروں کے رہبر بن گئے — کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

نبوت کا یہ چراغ اپنی تمام تر روشنیوں کے ساتھ حیات انسانی کے ہر شعبوں میں اور ہر

شعبوں کی ہر جہت اور ہر ہر پہلو میں مینارۂ نور بن کر اسوۂ نبی اکرم ﷺ کی شکل وصورت میں انسانوں کی صحیح رہنمائی کے لئے اپنے تمام تر برکات کے ساتھ موجود ہے جو چاہے اور جب چاہے اس سے اپنی ہدایت ورہنمائی کا سامان فراہم کرسکتا ہے "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ" کہہ کر اللہ رب العزت نے کامیابی وکامرانی کے متلاشی ساری دنیا کے انسانوں کو خبر دے دی کہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی منبع البرکات ذات بہترین نمونہ ہے اس لئے ہدایت کے خواستگار کو چاہئے کہ ہر معاملہ ہر ایک حرکت وسکون نشست وبرخاست، سیادت وقیادت، امارت وحکومت اخلاق وکردار، معاشرت، معیشت وتجارت، صبر وقناعت، زہد وعبادت، مروت وشجاعت، بلکہ ہر ہر عمل کے اندر کامیابی وکامرانی کے لئے نبی اکرم ﷺ کے طور طریق کو بطور نمونہ اپنے پیش نظر رکھیں۔

کائنات کی تاریخ میں صحابہ کرام کی مقدس جماعت نے نبی کریم ﷺ کے طور طریق بطور اسوہ اپنا کر ہر میدان میں فتح مندی کا وہ پرچم لہرایا دنیا جس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسی لئے سرور کائنات ﷺ کے طرز حیات کے مقابلے میں دنیا کی کوئی تہذیب وتمدن کوئی ثقافت ومعاشرت ان کی آنکھوں کو خیرہ اور دلوں کو فریفتہ نہ کرسکی۔

تقدیر ملت کے ستاروں کی روشنی اس وقت تک ماند نہیں پڑسکتی جب تک اس ملت کے ہاتھوں میں ''اسوۂ حسنہ'' کی مشعل اپنے پورے استحکام کے ساتھ باقی رہے گی۔ ملت کے افراد کو اسوۂ نبوی سے کیا ضابطے اور حیاتِ انسانی کے کیا کیا اصول ملتے ہیں وہ کون سی ذمہ داریاں ہیں جو نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کی روشنی میں ملت کے ریڑھ کی ہڈی کہے جانے والے افراد، یعنی نوجوانوں پر عائد ہوتی ہے جس پر چل کر چین وسکون کا غلبہ ہو اور پورا مسلم معاشرہ بلکہ پوری دنیا امن وامان کا گہوارہ بن جائے۔

یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے اور اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ملت کے نوجوانوں کی حیثیت کیا ہے۔ دراصل نوجوانانِ ملت کی مختلف حیثیتیں ہیں اور مختلف حیثیت سے مختلف حالات میں اس کی مختلف ذمہ داریاں ہیں ہم اس وقت حالات وواقعات کے پیش نظر چند حیثیتوں کی تعیین کرکے تعلیمات نبوی اور سیرت طیبہ کی روشنی میں ہر ایک کو الگ الگ تحریر کرتے ہیں کہ کس حیثیت سے نوجوان کے اوپر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

(۱) نوجوان خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے

(۲) نوجوان اہل قرابت ورشتہ داروں کے ایک فرد کی حیثیت سے
(۳) نوجوان معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت سے
(۴) نوجوان ملک کے ایک فرد کی حیثیت سے
(۵) نوجوان اپنے ذاتی کردار کی حیثیت سے
(۶) نوجوان اپنے جذبات کی حیثیت سے

اگر نوجوانان ملت اپنی حیثیت کو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں سمجھیں اور اس پر عمل کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تو یقیناً ہمارا بگڑا ہوا معاشرہ اصلاح کی راہ پر گامزن ہوجائے اور گھر، خاندان، اور معاشرہ چین وسکون اور امن وامان کا گہوارہ بن جائے۔ کسی شاعر نے بڑے ہی درد کے ساتھ کہا ہے کہ۔

اگر ہم اپنی روش بدل کر رہ ہدایت پہ ہوں روانہ
خدائی نصرت بھی ساتھ ہوگی مٹے گا یہ دور جابرانہ

نوجوان خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے: نوجوان اپنے والدین کا لاڈلا ان کی امیدوں وآرزوؤں کا مرکز ان کی تمناؤں کا مظہر اور ان کی ضعیفی کا سہارا اور بڑھاپے کی لاٹھی ہوتا ہے۔ مذہب اسلام نے والدین کے حقوق کی رعایت اور ان کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید بیان کی ہے والدین کی اہمیت اور ان کی عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم نے توحید جیسے بنیادی عقیدے کا تذکرہ کیا اسی کے ساتھ ساتھ فوراً والدین کے ساتھ حسن سلوک، ان سے مخاطب کے وقت لہجے کی نرمی، اور ان کے سامنے عاجزی ونیازمندی اور ان کے لئے دعاء وغیرہ کے اہتمام کا حکم دیا سورۂ بنی اسرائیل کے اندر باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْ هُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ. وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا.

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو کبھی اُف بھی نہ کہو، اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا، اور ان کے سامنے شفقت سے عاجزی کے ساتھ جھکے رہنا اور ان کے لئے یوں دعاء کرتے رہنا اے میرے

پروردگاران دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔

امام قرطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ رب العزت نے والدین کے ادب واحترام اوران کے ساتھ حسن سلوک کو اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر واجب فرمایا جیسا کہ سورہ لقمان کے اندر اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملا کر لازم فرمایا "ان اشْكُرْلِی وَلِوَالِدَيْكَ" (میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ کی عبادت کے بعد والدین کی اطاعت سب سے اہم اور اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرح والدین کا شکر گذار ہونا واجب ہے۔ بخاری شریف کی یہ حدیث بھی اسی پر شاہد ہے جس میں ہے کہ "سالت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای العمل أحب إلی؟ قال: الصلاۃ علی وقتھا، قال ثم أی قال: ثم بر الوالدین" رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ "اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے" آپ نے ارشاد فرمایا نماز کو اپنے (مستحب) وقت میں (پڑھنا) اس نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا والدین کے ساتھ اچھا سلوک۔ (بخاری کتاب الادب)

ابن ماجہ شریف کے اندر حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "اَنَّ رَجُلاً قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه مَا حَقُّ الوَالِدَيْنِ عَلٰى وَلَدِهِمَا قال هُمَا جَنَّتُكَ ونَارُكَ" ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں ہی تیری جنت اور دوزخ ہیں۔ مطلب یہ ہے ان کی اطاعت وخدمت جنت میں لے جاتی ہے اوران کی بے ادبی و ناراضگی اور نافرمانی وایذا رسانی دوزخ میں لے جاتی ہے۔

جامع ترمذی وغیرہ کے اندر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسلم رِضَى الرَّب فِى رِضٰى الوَالِدِ وَسَخَطَ الرَّب فِى سَخَطِ الوَالِدِ (ترمذی ابواب البر والصلہ ومستدرک حاکم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا حاصل ہونے کے لئے والد کی رضا جوئی شرط ہے والد کی ناراضگی کا لازمی نتیجہ اللہ کی ناراضی ہے لہٰذا جو کوئی والد کو ناراض کرے گا وہ رضائے الٰہی کی دولت سے محروم رہے گا۔

اس حدیث کے اندر اگر چہ والد کا لفظ آیا ہے لیکن ماں کا حکم بھی وہی بلکہ اس سلسلے میں ماں کا درجہ باپ سے بھی زیادہ بڑھا ہوا ہے جیسا کہ دوسری احادیث میں موجود ہے۔ اس لئے ماں کی خوشی و ناراضگی کا بھی وہی حکم ہے۔

بیہقی نے بروایت حضرت ابن عباس نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو خدمت گذار بیٹا اپنے والدین پر رحمت وشفقت سے نظر ڈالتا ہے تو ہر نظر کے بدلے میں ایک حج مقبول کا ثواب ملتا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ اگر وہ دن میں سو مرتبہ ان پر نظر کرے آپ نے فرمایا کہ ہاں سو مرتبہ بھی (ہر نظر پر ثواب ملتا رہے گا)۔

والدین کی وفات کے بعد ان کے خاص حقوق: والدین کے حقوق کا سلسلہ ان کی حین حیات میں ہی ختم نہیں ہوتا بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے اوپر کچھ اور حقوق عائد ہوتے ہیں جن کی ادائیگی نیک بخت اولاد کی ذمہ داری اور اللہ کی خاص رضا ورحمت کا وسیلہ ہے۔

حضرت ابواُسید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک وقت جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے بنی سلمہ کا ایک شخص حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول میرے والدین کا مجھ پر کچھ ایسا بھی حق ہے جو ان کی وفات کے بعد مجھے ادا کرنا چاہئے آپ نے فرمایا ہاں! ان کے لئے خیر ورحمت کی دعاء کرنا ان کے لئے اللہ سے مغفرت اور بخشش مانگنا اور اگر کسی سے ان کا کوئی عہد ومعاہدہ ہو تو اس کو پورا کرنا ان کے تعلق سے جو رشتے ہوں ان کا لحاظ رکھنا اور ان کا حق ادا کرنا اور ان کے دوستوں کا احترام کرنا۔ (ابوداؤد وابن ماجہ)

جس طرح زندگی میں والدین کی اطاعت وخدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ میں سے ہیں جو بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اسی طرح ان کی وفات کے بعد ان کے لئے رحمت ومغفرت کی دعاء ایسا عمل ہے جو ایک طرف والدین کے لئے قبر میں راحت وسکون کا وسیلہ بنتا ہے تو دوسری طرف اولاد کے ان قصور وکمی کی تلافی کا ذریعہ ہے جو والدین کی خدمت میں ان سے ہوئی اور وہ خود رحمت باری کی مستحق ہو جاتی ہے قرآن کریم نے اولاد کو بڑے اہتمام اور بڑی تاکید کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی کہ وہ اللہ سے والدین کے لئے رحمت ومغفرت کی دعاء مانگا کریں وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (اور اللہ سے یوں عرض کر کہ اے میرے پروردگار میرے والدین پر رحم فرما جس طرح انھوں نے مجھے بچپنے میں (شفقت) کے ساتھ پالا تھا)

غرض والدین کی خدمت واطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک نوجوانوں کی وہ ذمہ داریاں ہیں جن کی سرکار دوعالم ﷺ کی تعلیمات اور آپ کی سیرت طیبہ نے بڑی تاکید کے ساتھ بیان کی ہیں۔

مذہب اسلام نوجوانوں کو والدین کا خدمت گار، مطیع وفرمانبردار، ان کی ضروریات کا خیال اور راحت رسانی کی فکر کرنے والا، ان کی کسی طرح کی ناگواری سے اجتناب کرنے والا ان کے سامنے عاجزی وانکساری کے ساتھ پیش آنے والا اور ان کے ساتھ ادب ونرمی کا معاملہ کرنے والا نیک، صالح وسعادت مند بیٹے کی حیثیت سے دیکھنا پسند کرتا ہے، جو معاشرے کا سب سے اہم عنصر ہونے کے ساتھ ساتھ افراد، گھر، خاندان، محلّہ اور معاشرے کے امن وامان اور چین وسکون کا باعث بھی ہے۔

❁ ❁ ❁

ہندوستان میں مسلمانوں کا نصاب تعلیم

از: محمداللہ خلیلی قاسمی

تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے سرزمین عرب کی کفروشرک اور جہالت ووحشت بھری تاریک فضا میں جو روشنی دکھائی وہ علم کی روشنی تھی۔ اسلام نے روز اول ہی سے علم کی اہمیت پر زور دیا اور مسلمانوں کو تعلیم جیسی دولت بے بہا کو حاصل کرنے کی تاکید کی۔ ابتدائے عہد اسلام میں جبرئیل امین علیہ السلام کے واسطہ نازل ہونے والا الٰہی فرمان اور دربار نبوت سے صادر ہونے والے الفاظ واعمال یعنی قرآن وحدیث ہی مسلمانوں کے نظام تعلیم کا نصاب تھا۔ قرآن کی موقعہ بہ موقعہ نازل ہونے والی آیات کو لکھنے، پڑھنے اور یاد کرنے کا خاص التزام کیا جاتا تھا۔ حدیث کے مذاکرہ کا رواج تھا، کچھ صحابہ حدیث کو لکھنے کا بھی اہتمام کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کے بعد صدیقی دور خلافت میں قرآن کریم کی تدوین کی طرف توجہ ہوئی اور اسے ایک مصحف میں نہایت اہتمام واحتیاط کے ساتھ جمع کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی مملکت کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا اور اسلام عرب سے نکل کر بلاد عجم تک پہنچ گیا اور نت نئی تبدیلیاں واقع ہونے لگیں۔ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جملہ شعبہائے حیات اور خصوصاً شعبۂ تعلیم میں زبردست انقلابی تبدیلیاں کیں اور ترقیات کی بنیاد ڈالی۔

پہلی صدی ہجری میں احادیث مبارکہ کی تدوین کا سلسلہ شروع ہوگیا اور اس کے بعد کی دو صدیاں تدوین وایجادات کی صدیاں ثابت ہوئیں۔ خلافت اسلامیہ کے بعد اموی وعباسی ادوار میں اسلام دنیا کے متمدن علاقوں تک پہنچ چکا تھا۔ دین اسلام کے بڑھتے دائرہ اور نت نئے مسائل و واقعات کے پیش نظر حرفتوں، علوم اور فنون کی تدوین وایجاد شروع ہوئی۔ قرآن وحدیث کے معانی و مطالب کو سمجھنے کے لیے عجمیوں کو نحو وصرف جیسے علوم کی ضرورت ہوئی اور یہ علوم ایجاد ہوئے، ادبار، و علمائے نحو پیدا ہوئے۔ ترقیات کی کثرت اور عالم اسلام کی وسعت کے لحاظ سے نئے مسائل و

حالات پیدا ہوتے رہے اور علماء وفقہاء کی ایک بڑی تعداد قرآن وحدیث کی روشنی میں ان مسائل و حالات کے حل نکالنے میں مشغول ہوئی، اس طرح فقہ و اصول فقہ کی تدوین عمل میں آئی اور تفسیر واصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، فقہ واصول فقہ، صرف ونحو، اسماء الرجال اور تواریخ و معاجم کے متعلق علوم کی کتابیں لکھی جانے لگیں۔

اس وقت تک مساجد اور درسی حلقات کے بنیادی نصاب میں یہی قرآن وحدیث اور اس سے متعلق علوم نصاب کا جز رہے۔ پانچویں صدی میں امام غزالیؒ نے یونانی فلسفہ کے زیر اثر پیدا ہونے والے اسلام مخالف افکار ونظریات کے رد میں علم کلام کو اختیار کیا جس سے اسلامی فلسفہ اور منطق کا رواج ہوا۔ یہ علوم اس وقت اور اسکے بعد کے تقریباً تمام ہی عالم اسلام کے خطوں میں مشترک تھے لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا مختلف اسباب ووجوہات کی بنیاد پر مختلف علاقے مختلف علوم کے ساتھ مشہور ہوتے گئے؛ جیسے عرب کے علاقے میں تفسیر، حدیث، اصول حدیث اور اسماء الرجال جیسے علوم سے زیادہ شغف رہا۔ اسلامی اندلس میں تاریخ، ادب اور شاعری زیادہ مرغوب رہی جب کہ ایران کے لوگ منطق وفلسفہ سے دلچسپی میں ہمیشہ ممتاز رہے۔ اسی طرح خراسان وماوراء النہر (وسط ایشیا) میں بعد کی صدیوں میں فقہ، اصول فقہ اور تصوف کا خوب رواج رہا۔

ہندوستانی مسلمانوں کا نصاب تعلیم

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اموی خلافت کے دور میں پہلی صدی ہجری کے اندر ہو چکی تھی اور محمد بن قاسم کے ہاتھوں سندھ وملتان فتح ہو چکے تھے۔ اسی طرح پانچویں صدی ہجری میں سلطان محمود غزنوی نے سندھ و پنجاب کو زیر نگیں کرلیا تھا اور اپنی فتوحات کا دائرہ گجرات تک وسیع کرلیا تھا، لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی ابتدا دراصل چھٹی صدی ہجری (مطابق ۱۲۰۶ء) کے اخیر میں سلطان شہاب الدین غوری کے نائب قطب الدین ایبک کے دور سے ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وسط ایشیا کے مسلمان تفسیر وحدیث کے ساتھ صرف ونحو، بلاغت وادب اور کلام وتصوف کو بھی اہمیت دینے لگے تھے۔ چوں کہ وسط ایشیا اور دیگر اسلامی ملکوں میں تاتاری حملوں کے بعد مضبوط اسلامی حکومت ہندوستان میں ہی قائم ہوئی تھی اور یہ علاقہ تاتاری یورشوں سے تقریباً آزاد تھا، اس لیے ان علاقوں کے علماء ومشائخ اور عام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستان آگئی تھی؛ چناں چہ فطری طور پر ان کے ساتھ یہ ذوق ہندوستان منتقل ہوا اور یہیں سے

ہندوستانی نظام تعلیم کی بنیاد پڑی۔

مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنوی نے اپنے ایک مقالے 'ہندوستان کا قدیم نصاب درس اور اس کے تغیرات' میں قدیم ہندوستانی نصاب تعلیم کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ ذیل میں اسی بنیاد پر اختصار کے ساتھ عہد وسطی میں ہندوستانی مسلمانوں کے نصاب تعلیم کا ایک خاکہ پیش کیا جارہا ہے:

پہلا دور: اس کا آغاز ساتویں ہجری سے سمجھنا چاہیے اور انجام دسویں صدی پر اس وقت ہوا جب کہ دوسرا دور شروع ہوگیا تھا، کم وبیش دوسو برس تک اِن فنون کی تحصیل معیار فضیلت سمجھی جاتی تھی: صرف، نحو، ادب، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام، تصوف، تفسیر، حدیث۔ اس طبقے کے علماء کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں علم فقہ معیار فضیلت تھا، حدیث میں صرف مشارق الانوار کا پڑھ لینا کافی سمجھا جاتا تھا اور حدیث میں مزید درک ومہارت کے لئے مصابیح آخری کتاب تھی۔ اس زمانے کے نصاب تعلیم میں جو خصوصیات نظر آتی ہیں وہ فاتحین ہند کے مؤثر اور نکھرے ہوئے مذاق کا نتیجہ تھیں، ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بساط جن لوگوں نے بچھائی وہ غزنی اور غور سے آئے تھے، یہ وہ مقامات تھے جہاں فقہ اور اصول فقہ کا ماہر ہونا علم وفن کا طرۂ امتیاز سمجھا جاتا تھا اور ان ممالک میں فقہی روایات کا پایہ بہت بلند تھا۔

دوسرا دور: نویں صدی ہجری کے آخر میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ ملتان سے دہلی سلطان سکندر لودھی کے دربار میں آئے اور انھوں نے سابقہ معیار فضیلت کو کسی قدر بلند کرنے کے لئے قاضی عضدالدین کی تصانیف مطالع ومواقف اور علامہ سکاکی کی مفتاح العلوم نصاب میں داخل کیں۔ اس دور میں میر سید شریف کے تلامذہ نے شرح مطالع اور شرح مواقف اور علامہ تفتازانی کے شاگردوں نے مطول ومختصر المعانی اور تلویح وشرح عقائد نسفی کو رواج دیا۔ نیز اس زمانہ میں شرح وقایہ اور شرح جامی داخل نصاب کی گئیں، اس دور کے آخر میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے علمائے حرمین شریفین سے علم حدیث کی تکمیل کرکے علم حدیث کو فروغ دینے کی کوشش کی، ان کے بعد ان کے فرزند شیخ نورالحق نے بھی درس حدیث کی اشاعت کی کوشش کی۔ اس طبقے کے علمائے کرام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مفتاح العلوم سکاکی اور قاضی عضدالدین کی مطالع اور مواقف منتہیانہ کتابیں تھیں۔

تیسرا دور: دسویں صدی کے اخیر میں میر فتح اللہ شیراز (ایران) سے ہندوستان آئے، اکبر نے ان کو عضدالملک کا خطاب دے کر پذیرائی کی، انہوں نے سابق نصاب درس میں کچھ

معقولی کتابوں کے اضافے کئے اورانھیں کے زیر اثر ہندوستانی نصاب میں ان کا رواج ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے جو اس دور کے سب سے آخری مگر سب سے زیادہ نامور عالم تھے، حرمین شریفین تشریف لے گئے اور وہاں چودہ ماہ قیام فرما کر علم حدیث کی تکمیل کی اور ہندوستان آ کر اس سرگرمی سے اس کی اشاعت کی کہ جس کے اثرات آج تک باقی ہیں، حضرت شاہ ولی اللہؒ اوران کے اخلاف نے صحاح ستہ کے درس وتدریس کو اپنی سعی وکوشش سے جزو نصاب بنا دیا۔ شاہ صاحبؒ نے ایک نیا نصاب درس بھی مرتب کیا تھا مگر چونکہ اس زمانے میں علم کا مرکز دہلی سے لکھنؤ منتقل ہو چکا تھا، نیز ہمایوں اور اکبر کے زمانے میں ایران سے جو نیا تعلق ہوا تھا، اس نے بتدریج ہندوستان کے علمی مذاق میں ایک جدید تغیر پیدا کر دیا تھا، مغل دربار کے ایرانی امراء اور علماء کے ذریعے منطق اور فلسفہ کو آہستہ آہستہ دوسرے علوم پر فوقیت حاصل ہوتی گئی؛ اس لیے شاہ صاحبؒ کے نصاب کو قبول عام حاصل نہ ہوسکا۔

چوتھا دور: چوتھا دور بارہویں صدی ہجری سے شروع ہوا، اس کے بانی ملا نظام الدین سہالوی لکھنویؒ تھے جن کا مرکز فرنگی محل لکھنؤ تھا۔ درس نظامی کے نام سے جو نصاب آج تمام مدارس عربیہ میں رائج ہے وہ ان ہی کی یادگار ہے۔ ملا نظام الدین نے دور سوم کے نصاب میں اضافہ کر کے ایک نیا نصاب مرتب کیا اور اس دور میں پڑھائی جانے والی کتابوں کو حتی الامکان جمع کرنے کی کوشش کی۔ درس نظامی میں تیرہ موضوعات کی تقریباً چالیس کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ فقہ اور اصول فقہ کے ساتھ، تفسیر میں جلالین و بیضاوی اور حدیث میں مشکاۃ المصابیح داخل تھی۔ انھوں نے ریاضی اور فلکیات کی کئی کتابیں اور ہندسہ (انجینئرنگ) پر بھی ایک کتاب شامل نصاب کی۔ اس میں طب، تصوف اور ادب کی کوئی کتاب شامل نہیں تھی اور منطق وفلسفہ کو خاصی جگہ دی گئی۔

تیرہویں صدی کے وسط میں ہندوستان میں علم کے تین مرکز قائم تھے؛ دہلی، لکھنؤ اور خیرآباد۔ گو نصاب تعلیم تینوں کا قدرے مشترک تھا، تاہم تینوں کے نقطہ ہائے نظر مختلف تھے۔ دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا خاندان کتاب وسنت کی نشر واشاعت اور تعلیم وتدریس میں ہمہ تن مشغول تھا، یہاں تفسیر وحدیث پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی، علوم معقولہ کی حیثیت ثانوی درجے کی تھی۔ لکھنؤ میں علمائے فرنگی محلّی پر ماوراء النہر کا ساتویں صدی والا قدیم رنگ چھایا ہوا تھا، فقہ اور اصول فقہ کو ان کے یہاں سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی، تفسیر میں جلالین و بیضاوی اور حدیث میں صرف مشکاۃ المصابیح کافی سمجھی جاتی تھی۔ خیرآبادی مرکز کا علمی موضوع صرف منطق وفلسفہ تھا اور یہ علوم اس قدر

اہتمام سے پڑھائے جاتے تھے کہ جملہ علوم کی تعلیم ان کے سامنے ماند پڑ گئی تھی۔

دارالعلوم دیوبند اور اس سے ملحقہ مدارس کا نصاب

۱۸۵۷ء کے تاریخی حادثۂ انقلاب میں تقریباً ملک سے ساری نامور درس گاہیں برباد کردی گئیں اور خصوصاً ملک کا شمالی حصہ جو اس تحریک کا مرکز تھا اور دینی علوم وفنون کا گہوارہ تھا، اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ اس واقعہ کے تقریباً دس سال بعد جب دیوبند میں دارالعلوم بنیاد پڑی، اس کے نصاب میں ماضی قریب کے تینوں علمی گہواروں؛ دہلی، لکھنؤ اور خیرآباد، کی خصوصیات کو جمع کیا گیا۔ اس طرح اس میں درس نظامی کو بنیاد بناتے ہوئے صحاح ستہ کو شامل کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند کا یہی نصاب تعلیم تقریباً ڈیڑھ صدیوں سے ہندوستان کے اکثر مدارس میں مروج ہے۔ دیوبند نے ان علوم کی عظمت کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھا بلکہ ترقی دینے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ اس نصاب کی خصوصیت یہ ہے کہ طالب علم میں امعان نظر اور قوت مطالعہ پیدا کرنے کا لحاظ اس میں زیادہ رکھا گیا ہے۔ اگرچہ اس نصاب کی تحصیل کے معاً بعد کسی مخصوص فن میں کمال حاصل نہیں ہوتا، مگر یہ صلاحیت ضرور پیدا ہوجاتی ہے کہ طالب علم محض اپنے مطالعہ اور محنت سے جس فن میں چاہے کمال پیدا کرلے۔

اس وقت دارالعلوم دیوبند اور اس کے طرز پر چلنے والے مدارس میں فضیلت تک تقریباً تیس موضوعات کی پچاس سے زیادہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان موضوعات میں تفسیر وترجمۂ قرآن، حدیث واصول حدیث، فقہ واصول فقہ، نحو وصرف، معانی وبیان وبلاغت، منطق وفلسفہ، تاریخ وتصوف، عقائد وادب اور تجوید وغیرہ جیسے علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ ابتدا کی چند کتابوں کو چھوڑ کر ساری کتابیں عربی زبان میں ہیں۔ دورۂ حدیث کے بعد طالب علم کے ذوق وشوق اور اس کی صلاحیت کے مطابق اسے تفسیر واصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، فقہ وفتاوی یا ادب عربی میں سے کسی ایک فن میں تخصص کی سہولت مہیا کی جاتی ہے اور اس سلسلے میں اس کی رہنمائی کی جاتی ہے۔ کمپیوٹر، انگریزی وغیرہ کے بھی کورسز ہیں جو ان موضوعات سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ کو اس میدان میں آگے بڑھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے نصاب کو درس نظامی کا نام دیا جاتا ہے، جو کسی حد تک صحیح کہا جاسکتا ہے۔ لیکن کچھ لوگوں کو اس نام سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ یہ نصاب بعینہٖ بارہویں صدی ہجری

کا ہے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر چہ دارالعلوم کے اس نصاب کی بنیاد وہی درس نظامی تھا جو قیام دارالعلوم کے وقت عموماً ہندوستانی مدارس و درس گاہوں میں رائج تھا، لیکن دارالعلوم کے قیام کی ابتدا ہی سے درس نظامی جوں کا توں کبھی بھی نصاب نہیں رہا اور بعد میں حالات کے تقاضے کے پیش نظر اس میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ اگر کوئی شخص ملا نظام الدین کے درس نظامی کا آج کے دارالعلوم دیوبند کے نصاب سے موازنہ کرے تو اسے دارالعلوم کے نصاب کو درس نظامی کا نام دینے میں بھی ہچکچاہٹ ہوگی؛ کیوں کہ اس میں علوم عالیہ کے ساتھ علوم آلیہ کی کتابوں میں بنیادی تبدیلیاں کی گئی ہیں، درس نظامی کی متعدد کتابوں کو بالکل نکال کر دوسری کتابوں کا اضافہ کیا گیا ہے، جب کہ بہت سے موضوعات کی کتابوں کو بدل دیا گیا ہے۔ نصاب دارالعلوم میں زمانہ کے تقاضوں کے مطابق تغیر و تبدل اور حذف و اضافہ کا عمل مسلسل جاری ہے۔ علوم دینیہ کے ساتھ عصری علوم اور معاشی ضرورتوں کا بھی لحاظ رکھا جارہا ہے۔ دارالعلوم میں دارالصنائع، شعبۂ کمپیوٹر، شعبۂ انگریزی و شعبۂ صحافت اسی مسلسل عمل کا ایک حصہ ہیں۔

نصاب کی تبدیلی کے سلسلے میں ایک بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ دارالعلوم دیوبند اور اس جیسے مدارس کا مقصد دینی علوم و ثقافت کی حفاظت اور اسلام کی نشر و اشاعت ہے۔ لہٰذا، ایسی کوئی تبدیلی جو اس عظیم مقصد میں خلل انداز ہو اسے قطعاً قبول نہیں کیا جاسکتا ہے۔ علوم عالیہ یعنی قرآن، حدیث اور فقہ کو صحیح طور پر سمجھنے اور ان میں درک حاصل کرنے کے لیے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے، ان علوم کی تعلیم ہی ان مدارس کا اصل مقصد ہے۔ اس میں دوسرے علوم و فنون کی گنجائش محض اسی حد تک ہے جب تک کہ یہ دوسرے علوم ان مدارس کے اصل مقصد میں حائل یا مخل نہ ہوں۔

❁ ❁ ❁

بزرگوں سے اصلاحی تعلق قائم کیجیے!

از: مفتی تنظیم عالم قاسمی
استاذ حدیث دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

رسول اکرم ﷺ کی بعث کا ایک مقصد قرآن کریم نے تزکیۂ قلب بیان کیا ہے، ارشاد باری ہے هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ. (سورہ جمعہ، آیت:۲) ''وہی ہے وہ ذات جس نے ان پڑھوں میں انہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کو پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

تزکیۂ قلب دل کی پاکی کو کہا جاتا ہے یعنی انسان کے دل ودماغ کو بے حیائی اور دنیوی آلائشوں سے پاک کرکے اس میں خوفِ آخرت اور اللہ کی محبت پیدا کی جائے، عام طور پر انسانی نفوس کا رجحان ان چیزوں کی طرف ہوتا ہے جو شریعت کے خلاف ہیں، جن میں نفس کو لطف اور مزہ آتا ہے، ان رجحانات کو موڑ کر نفس کو رشد وہدایت اور خیر پر لگانے کی محنتوں کو تصوف وسلوک اور تزکیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، شریعت میں تزکیے کی بڑی اہمیت ہے، اس لیے کہ اگر انسان کا دل پاک ہوجائے، سوچ وفکر قرآنی اصول کے سانچے میں ڈھل جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ معاشرہ صالح اور نیک نہ ہو، زنا کاری، شراب نوشی، ظلم وزیادتی، چوری، ڈاکہ زنی اور ہزار طرح کے جرائم اس لیے وجود میں آتے ہیں کہ دل میں اللہ کا خوف ہے اور نہ آخرت پر یقین، خدا کی قدرت اور وجود کا تصور بلاشبہ بڑے سے بڑے گناہ کے عادی انسان کے ہاتھوں غیر مرئی ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں لگادیتا ہے، پھر وہ اس طرح سنورجاتا ہے کہ رات کے سناٹے میں بھی اس کا ذہن کسی برائی کی طرف نہیں جاتا، دولت کے خزانے میں بھی رہ کر دل میں خیانت کا تصور نہیں آتا۔ بے حیائی کے تمام اسباب ووسائل موجود ہوں، پھر بھی طبیعت اس پر آمادہ نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ قرآن نے تزکیۂ قلب پر بڑا زور دیا ہے۔ سورہ الاعلیٰ آیت ۱۴ میں ارشاد فرمایا گیا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی

’’تحقیق کہ وہ شخص کامیاب ہوگیا جس نے اپنا تزکیہ کیا‘‘ یہی مفہوم سورۂ الشّمس آیت ۹ میں ان کلمات میں بیان کیا گیا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا ’’بلاشبہ وہ آدمی کامیاب ہوگیا جس نے اپنے نفس کو سنوارا اور ناکام ہوا جس نے اس کو خاک میں ملایا یعنی خواہشات نفس کی پیروی کی‘‘ ان دونوں آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کامیابی اور فوز وصلاح تزکیۂ قلب کے ساتھ مربوط ہے، دل پاک وصاف ہے تو اخروی نعمتیں استقبال کریں گی، دنیا میں سکون واطمینان، رعب ودبدبہ، عزت اور بلند مقام تو حاصل ہوگا ہی اسی کے ساتھ جنت کی ابدی راحت رساں چیزیں سامنے حاضر ہوں گی، وہ جب اور جس طرح چاہے گا کھائے گا اور مزے لے گا، اللہ کی رضامندی اس کو مکمل طور پر حاصل ہوگی۔

عرب قوم جس کے درمیان رسول اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی تھی، پلے، بڑھے اور جوان ہوئے یقیناً وہ ایک خونخوار اور جنگ جو قوم تھی، تہذیب وتمدن سے نابلد، برائیوں کے خوگر، معرفت الٰہی سے کوسوں دور اور طبیعت کے اعتبار سے انتہائی سخت اجڈ اور گنوار تھی، نبی اکرم ﷺ کی نظر کرم نے ان کو ایسا بدلا کہ ساری دنیا کے لیے وہ ہدایت کے چراغ بن گئے، جو پہلے گنوار تھے مہذب بن گئے، مشرک تھے موحد ہوگئے، سخت تھے نرم ہوگئے، جو پہلے بے حیثیت تھے وہ دنیا کے امام بن گئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کو صدیقیت کا مقام نہ ملتا اگر رسول اکرم ﷺ کی معیت نصیب نہ ہوتی، حضرت عمر فاروقؓ کو فاروق، حضرت عثمان غنیؓ کو غنی اور ذوالنورین (دو روشنی والے) اور حضرت علیؓ کو شیر خدا کا خطاب اور اعزاز رسولِ رحمت ﷺ کی صحبت اور محبت کا اثر ہے، حضرت بلال حبشیؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ عرب کے باہر سے تشریف لائے، کوئی تعارف اور سناشائی نہیں، پہلے غلام تھے لیکن اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت وصحبت نے انہیں وہ مقام عطا کیا کہ تمام مسلمانوں کے وہ چہیتے اور سردار بن گئے۔ بقول کسی شاعر ؎

خود نہ تھے جو راہ پہ اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

نبی اکرم ﷺ کے بعد صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور پھر اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کی مجالس اور صحبت میں وہ تاثیر پائی جاتی ہے جس سے سخت سے سخت انسان کا دل بھی موم بن جاتا ہے، اللہ کا خوف اور آخرت کی تڑپ پیدا ہوتی ہے، انسانوں کے اندر تکبر ہے، حسد ہے، بغض ہے، حب دنیا ہے، آخرت سے بے فکری ہے، گناہوں سے دلچسپی ہے، اس طرح کے تمام گندے اوصاف

شیطانوں کے مکروفریب اوران کے بہکاوے سے پیدا ہوتے ہیں، صلحاء اور بزرگان دین مدتوں ریاضت سے جن کے نفوس منجھے ہوئے ہوتے ہیں، وہ شیطان کے مکروفریب کواچھی طرح جانتے ہیں، ان بزرگوں کی صحبت جواختیار کرتا ہےاوران کے توسط سے جو ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہے یہ نفوسِ قدسیہ ان کوشیطان اور نفس سے بچنے کی تدبیریں بتاتے ہیں، اگران کی ہدایات پرعمل کیا جائے تو بہت جلد نفس کے عیوب اور رزائل کا ازالہ ہوجاتا ہے اوران کی فیض صحبت سے انسان اخلاقِ فاضلہ، معرفت الٰہی، خوفِ خدا، آخرت کی طرف رغبت کی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ پھر وہ کہیں بھی رہے اللہ کی قوتِ گرفت کا احساس ہمیشہ ساتھ رہتا ہےاس کوصوفیا کی اصطلاح میں تصوف وسلوک کہا جاتا ہے۔

تصوف وسلوک اورتزکیۂ قلب دونوں ایک چیز ہے، جب دل پاک ہوگا تو خود بخود اللہ کی طرف میلان بڑھے گا، خدا سے قرب دل کی صالحیت پر موقوف ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ سے کسی نے پوچھا کہ یہ تصوف کیا بلا ہے؟ حضرت نے فرمایا: اس کی ابتدا ”انما الأعمال بالنیات“ (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) سے ہےاور انتہا ”أن تعبد اللّٰہ کأنّك تراہ“ (اللہ کی اس طرح عبادت کروکہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو) پر ہے، بظاہر یہ صرف دو جملے ہیں مگر تصوف وسلوک کا خلاصہ اس میں بیان کردیا گیا ہے۔ یعنی انسان ہزار عمل کرے، اگر نیت درست نہیں ہے تو کوئی بھی عمل مفید نہیں، اس لیے تصوف کے طالب علم کوسب سے پہلے تصحیح نیت کی ترغیب دی جاتی ہے، یہاں سے اس کے سفر کا آغاز ہوتا ہے، جب نیت درست ہوگئی تو اللہ کی رحمتوں کا نزول شروع ہوجاتا ہے، معرفت الٰہی کا یہ راستہ انسان کواس مرتبہ تک پہنچادیتا ہے کہ عبادت کرتے ہوئے معبود کوگویا وہ اپنی نظروں سے دیکھ رہا ہے، کسی کو جب یہ مقام حاصل ہوجائے تو پھر اس کی شرافت وسعادت کا کیا کہنا، تصوف کا مقصود اصلی شریعت پر چلنا ہے، شریعت کوچھوڑ کر طریقت کی کوئی حیثیت نہیں، حضرات مشائخ نے جواصلاح نفس کے لیے کچھ تدبیریں اور طریقے تجویز کیے ہیں یہ مقاصد نہیں، وسائل ہیں، ان کی صحبت اور نظروں میں رہ کر آدمی کامل انسان بنتا ہے جس کا خدا نے حکم دیا ہےاور شریعت میں جو مطلوب ومقصود ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ پہلے کے مقابلے میں آج مصروفت بڑھتی جارہی ہے، وقت تنگ ہوگیا ہے، لوگوں کواتنی فرصت نہیں کہ ازخود تصوف وسلوک کی راہ پر چل کر کامیابی حاصل کریں، یہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ اہل دل علماء، صلحاء اور اولیاء اللہ سے اصلاحی تعلق

قائم کیا جائے، ان کی رہنمائی اور قرآن وسنت کی روشنی میں دیئے گئے خطوط پر عمل آوری سے ایک شخص بہت جلد اس راہ کی مسافت کو طے کرسکتا ہے۔ جب بھی وقت ملے فرصت پاکر بزرگان دین کی مجالس سے استفادہ کرنا چاہیے۔ اللہ کے ولی کا اللہ سے بڑا قرب ہوتا ہے، ان کے مجاہدہ وریاضت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مجالس، صحبت اور نظروں میں تاثیر رکھی ہے، جو محض مطالعہ، وعظ وتقریر، مال وزر یا شخصی محنت سے حاصل نہیں ہوسکتی، مشہور شاعر اکبرالہ آبادی نے اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

پاکستان کے مشہور عالم دین حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب زید مجدہ نے ایک موقع پر فرمایا:

''آج ہمارا حال مختلف ہے، اللہ والوں کی مجلس سے ہم بھاگتے ہیں، ہم جس ماحول میں رہتے ہیں وہ گناہ وعصیان کا ماحول ہے، گردوپیش سے عام انسان تو عام انسان ہے، ''ولی'' بھی متاثر ہوجاتا ہے، سنیما اور گانوں کی آواز، دنیا کی فحاشی یہ سب کچھ انسان کو متاثر کرتے ہیں۔ صحابہؓ کا عاد وثمود کی بستی سے جب گزر ہوا تو حضور ﷺ نے منہ چھپالیا اور صحابہ کو جلدی سے گزر جانے کے لیے فرمایا، دیکھئے ماحول کا اثر، حضور ﷺ کی نگاہ میں کس قدر اہمیت کا حامل ہے، اگر اثر کا خوف نہ ہوتا تو جلدی سے کیوں گزرتے؟ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ برے ماحول سے کٹ کر اللہ والوں کی مجلس میں بیٹھو، نورانیت پیدا ہوگی اور اچھے اثرات پڑیں گے۔ (باتیں ان کی یاد رہیں گی صفحہ ۳۵، از مولانا محمد رضوان القاسمیؒ)

یہ واقعہ ہے کہ انسان جس طرح کی صحبت اختیار کرتا ہے، مزاج، طبیعت، رجحان ویسے ہی بن جاتے ہیں، بزرگوں کی صحبت میں اگر کوئی مکمل بزرگی اختیار نہ بھی کرے، پھر بھی کچھ دیر کے لیے ہی سہی ضرور اس کے دل میں آخرت کی فکر پیدا ہوگی، اسے اپنے گناہوں پر شرمندگی محسوس ہوگی اور دل میں اللہ کا خوف پیدا ہوگا، بزرگوں کی نظر میں وہ کیمیائی اثر ہے جو بہت جلد انسان کو متاثر کرتا ہے، گنہگار اپنے گناہوں سے توبہ کرلیتے ہیں اور نیکوکار کی رفتارِ عمل دوچند ہوجاتی ہے۔ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب نے اس کی چار وجوہات بیان کی ہیں جو یقیناً پڑھنے کے قابل

ہیں۔ایک موقع پر فرمایا: اہل اللہ کی صحبت اختیار کیجئے ان کی صحبت بابرکت سے چار وجہوں سے فیض حاصل ہوتا ہے:

(۱) پہلی وجہ نقل ہے، یعنی انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے نقال واقع ہوا ہے، جب آپ اہل اللہ کی صحبت میں رہیں گے اور شب و روز ان کے طریقۂ مناجات، ان کے طریقۂ فریاد ان کے آداب واخلاق اور خدا کے حضور ان کے رونے اور گڑگڑانے اور نالۂ نیم شبی کو دیکھیں گے تو ممکن نہیں کہ آپ ان صفاتِ عالیہ کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش نہ کریں۔آپ کی نقال طبیعت یقیناً ان اعمال میں نقل کی سعی کرے گی۔

(۲) دوسری وجہ صحبت کی عام برکت ہے۔اگر کوئی اہل اللہ کی صحبت میں بغیر کسی خاص ذہن وفکر کے آئے اور کوئی غرض بھی ہو جب بھی وہ اس کی برکت محسوس کرے گا۔اور آہستہ آہستہ ان کی مقناطیسی شخصیت اپنی طرف کھینچتی رہے گی۔

(۳) تیسری وجہ معرفت ہے۔یعنی ان کی صحبت سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔نفس اور شیطان سے مقابلہ کرتے ہوئے اسے کس طرح مغلوب کیا جائے؟ ان کی صحبت سے اس کا فن آتا ہے۔نفسانی اور شیطانی مکروفریب سے ایک انسان خوب واقف ہوجاتا اور ان سے بچنے کی تدبیروں سے اچھی طرح آگاہ ہوجاتا ہے۔

(۴) چوتھی وجہ دعا ہے، یعنی یہ جہاں ساری اُمت کے لیے دعا کرتے ہیں وہاں خصوصیت کے ساتھ اپنے متعلقین اور مردوں کے لیے دعا کرتے ہیں۔ بارگاہِ الٰہی میں ان کی مخلصانہ دعا بہرحال قبولیت کی تاثیر رکھتی ہے۔

ان چار وجوہ کے علاوہ مولانا رومیؒ ایک اور وجہ بیان کرتے ہیں۔وہ یہ کہ دلوں میں سے دلوں میں خفیہ راستے ہوتے ہیں۔غیرمرئی طور پر اللہ والوں کے دلوں کی ایمانی طاقت ان کے ہم نشینوں پر اثر کرتی ہے۔اور ان کے طاقتور یقین کا نور ان کے جلیسوں کے ضعیف اور کمزور یقین کو توانائی بخشتا اور نورانی بناتا رہتا ہے۔

مولانا رومیؒ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھو، دو چراغ ہوتے ہیں، ان کا وجود اور جسم ایک دوسرے سے الگ ہوتا ہے مگر فضاء میں دونوں کے نور ایک ہوتے ہیں، ان میں کوئی علیحدگی نہیں ہوتی اسی طرح اللہ والے کا جسم اور تمہارا جسم تو الگ الگ ہے مگر ان کے دل کا نور تمہارے ضعیف نور کو کامل کردے گا اور درمیان میں جسم حائل نہیں ہوسکے گا۔(باتیں ان کی یاد رہیں گی صفحہ ۱۳۸)

لیکن واضح رہے کہ کسی بھی مرشد اور اللہ کے ولی کی صحبت سے اسی وقت فائدہ ہوسکتا ہے جبکہ استفادے کی سچی تڑپ ہو، اس کے لیے ان بزرگوں کے کڑوے کسیلے جملے بھی سننے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کرنا ہوگا، طالب علم اگر معلّم کی سختی برداشت نہ کرے تو علم حاصل نہیں ہوسکتا، تصوف کی کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے کو کسی کامل اور ماہر کے حوالے کیا، ان کی حالت ہی بدل گئی۔

حضرت خواجہ عزیزالحسن صاحب مجذوبؒ جب خانقاہ تھانہ بھون میں تھے کچھ بے اصولی کی بناء پر حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے حضرت خواجہ صاحب کو خانقاہ سے نکال دیا۔ ان کے اندر سچی تڑپ اور محبت تھی۔ یہ پھاٹک سے نکل کر فٹ پاتھ پر لیٹ گئے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کو حضرت تھانویؒ نے جب نکال دیا ہے تو اب آپ اپنے گھر چلے جایئے۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ تو ان کی جگہ نہیں ہے، یہ جگہ تو سرکاری ہے، میں یہاں سے کیوں چلا جاؤں اور ایک شعر پڑھا کرتے کہ ؎

اُدھر وہ دَر نہ کھولیں گے اِدھر میں دَر نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں ان کی کہیں میری

غرض کہ حضرت خواجہ صاحب پر حضرت تھانویؒ کو پھر ترس آیا کہ بے چارے کے اندر سچی طلب ہے۔ پھر چند ہی دنوں کے بعد جب تاجِ خلافت لیے ہوئے خانقاہ سے نکل رہے تھے تو یوں فرماتے ہوئے گئے کہ ؎

نقش بتاں مٹایا دکھایا جمالِ حق آنکھوں کو آنکھ دل کو میرے دل بنادیا
آہن کو سوزِ دل سے کیا نرم آپ نے نا آشنائے درد کو بسمل بنادیا
مجذوب در سے جارہا دامن بھرے ہوئے صد شکر حق نے آپ کا سائل بنادیا

حضرت خواجہ عزیزالحسنؒ، حضرت تھانویؒ کے معتمد اور مخصوص خلفاء میں سے ہیں۔ انھوں نے حضرت تھانویؒ کے انتقال کے بعد تین جلدوں میں ''اشرف السوانح'' کے نام سے کتاب تصنیف کی، جس کو پہلی مرتبہ مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب حضرت تھانویؒ کی سیرت پر ہے جو ان کی سیرت پر لکھی گئی تمام کتابوں میں کلید کی حیثیت رکھتی ہے، خواجہ عزیزالحسنؒ کو سچی تڑپ تھی، اس لیے گیٹ کے باہر نکالے جانے پر بھی اپنے مرشد کا دامن نہیں چھوڑا، اگر وہ برہم ہوکر یا عزت نفس کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے حضرت تھانویؒ کا در چھوڑ

کر چلے جاتے تو انہیں خلافت ملتی اور نہ ہی یہ اعزاز حاصل ہوتا۔

بعض لوگ یہ کہہ کر اس مسئلہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اب ویسے بزرگ کہاں جو پہلے تھے، چاہنے کے باوجود بھی اولیاء اللہ کی صحبت آج میسر نہیں، یہ سوچ سراسر شیطانی دھوکہ ہے، یاد رکھنا چاہیے کہ اولیاء اللہ اور صلحاء ہر زمانے میں ہوتے رہے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے، سورہ توبہ آیت ۱۱۹ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہدایت دی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور صادقین کی صحبت اختیار کریں، اگر سچے لوگ ہر زمانے میں پیدا نہ کیے جائیں تو یہ ایسا حکم ہوا جس کی تکمیل پر انسان قادر نہیں، اور ایسا حکم ایک کامل حکیم کی طرف سے نہیں دیا جاسکتا، اس لیے معلوم ہوا کہ صادقین، صلحاء، اولیاء اللہ کا وجود ہر زمانے میں رہے گا، ان کو ڈھونڈنا اور سچی تڑپ کے ذریعہ ان تک پہنچنا ہماری ذمہ داری ہے۔ مولانا رومیؒ نے فرمایا کہ لیلیٰ کا جب انتقال ہوا تو مجنون کو خبر نہیں ہوئی تھی، بعد میں قبرستان پہنچا تو ہر قبر کی مٹی سونگھتا پھر رہا تھا۔ لیلیٰ کی قبر کی مٹی سونگھتے ہی وہ دیوانہ وار کہنے لگا ''یہی ہے، یہی ہے۔'' عشق ومحبت کی بنیاد پر مٹی کی بو سونگھ کر اس نے لیلیٰ کی قبر کا پتہ لگالیا۔ اسی طرح اگر کسی کو سچی پیاس اور تلاش ہو تو اللہ والوں کے جسموں کی خوشبو سونگھ کر اللہ والوں کو پہنچانا جاسکتا ہے، ہاں اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ زمانہ کے انحطاط کے ساتھ ولایت میں بھی انحطاط پیدا ہوا ہے، پہلے طالبین کامل تھے تو اولیاء اللہ جنید بغدادی اور حسن بصری کی شکل میں تھے، جب طلب صادق میں کمی آئی تو ولایت کا درجہ بھی کم ہوا، اس زمانہ میں اگر جنید بغدادی جیسا کوئی ولی ڈھونڈا جائے تو فضول ہوگا۔ ہمارے لیے آج جنید بغدادی وہ صلحاء ہیں جن کی صحبت سے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت، آخرت کی فکر پیدا ہو، دنیا کی محبت کم ہونے لگے اور اعمال واخلاق درست ہونے لگے، اس سے سمجھ لینا چاہیے کہ یہ اللہ والا ہے۔ اس کی صحبت سے مجھے ضرور فائدہ ہوگا اور ایسے لوگوں کی آج بھی کمی نہیں، بعض بزرگوں نے اولیاء اللہ کی پہچان یہ بتائی ہے کہ وہ سنت رسول ﷺ کے عاشق ہوں یعنی کسی کرامت کا ظہور بزرگی کے لیے لازم نہیں۔ فرائض وواجبات کے ساتھ مکمل طور پر سنت کی پابندی ولایت کو جانچنے کے لیے کافی ہے، بہرحال ولی کامل ہو یا ناقص ہم جیسے گنہگاروں کے لیے ان کی صحبت اور نظر کرم فائدے سے خالی نہیں، کاش! مسلمان دنیاداروں سے اپنی نگاہ اور توجہ کو پھیر کر اہل اللہ اور صلحاء کی طرف مرکوز کردیں، ان کی صحبت اختیار کریں اور ان سے اصلاحی تعلق قائم کریں کہ اس کے بغیر اصلاح ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

❁ ❁ ❁

تعصب ناسور سے بھی بدتر ہے

از: مفتی محمد شاہد
شیرکوٹ بجنور

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوۃ علی سید الثقلین والمرسلین اما بعد!

اس موضوع پر بھی لکھتے ہوئے قلب ودماغ مجتمع نہیں اور قلم بھی کچھ لرزش محسوس کررہا ہے ذہن ماؤف تو انگلیاں بھی ساتھ چھوڑنے کی کوشش کررہی ہیں لیکن جب قرآنی حکم حبیب خدا ﷺ کا طریقۂ عمل اور جہد پیہم اسلاف واکابر صالحین وخدا ترس حضرات کا شیوہ تصور بدیہی کی طرح دیکھتے ہیں تو قلب مضطر کو بے کلی سے اطمینان حاصل ہوتا ہے لیکن آپ سوال کرسکتے ہیں کہ طفل مکتب صاحب کیوں آپ گھبرارہے ہیں اور کیا آپ کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس عموم بلویٰ حاصل کرچکے تعصب پر آپ لکھ رہے ہیں تو بندۂ بے بضاعت یہی جواب دے گا کہ قلم کی لرزش، قلب ودماغ کی گھبراہٹ بے معنی نہیں۔ نامعلوم کتنے حضرات کی دستار اچھلتی نظر آئے گی تقویٰ وتورُع کا بھرم رازِ سربستہ ٹوٹتا پھوٹتا نظر آئے گا، نا جانے کتنی مقدس ہستیاں اس حمام میں عریاں نظر آئیں گی کتنے مقبول ومحبوب ومعروف لیڈران کی فلک بوس سیاست زمین بوس ہوتی نظر آئیگی۔ کتنے صاحب تصنیف وتالیف حضرات کی شخصیت مجروح ہوتی نظر آئیگی۔ کتنے جمہوریت کے علمبردار ومساوات کے داعی جھوٹے نظر آئیں گے۔

غرض قلم قاتل تو اہل تقدس مقتول ہوجائیں گے اور یہ ہر ایک پر واضح رہے کہ ان کی نظر میں بیچارہ قلم اور صاحب مضمون ہدفِ ملامت بن جائیگا لیکن لَا تَخَفْ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ پر عمل پیرا ہونے کی اللہ تعالیٰ ہر ایک کو توفیق عطا فرمائے (آمین) اور ضرورت اسلئے محسوس ہوئی کہ اسی تعصب کی وجہ سے لاکھوں لوگ بیروزگار تو ہزاروں حضرات جن عہدوں کے لائق ہیں ان سے وہ محروم ہیں۔

برا ہو اس تعصب کا نا جانے کتنے لائق عہدوں پر نااہل براجمان ہیں اور لائق حضرات خاک چھانتے پھر رہے ہیں۔ قرآن واحادیث میں اس تعصب کی بہت برائی بیان کی گئی ہے۔

تعصب کے لغوی واصطلاحی معنی یہ ہیں۔ تَعَصَّبَ. پٹی باندھنا تعصب سے کام لینا۔ تَعَصَّبَ علیہ مقابلہ کرنا اور عصبیت دکھلانا اَلْعَصَبِیَّۃُ دھڑے بندی اَلْعَصَبِی تعصب کی وجہ سے ظلم میں قوم کی مدد کرنے والا۔

التَّعَصُّبُ دلیل ظاہر ہونے کے بعد بھی حق قبول نہ کرنا المنجد/۶۵۶ حق بات کی دلیل ظاہر ہوتے وقت حق قبول نہ کرنا قواعد الفقہ/۲۳۱ و کذا فی رد المحتار ۱/۶۴۲، مشکوٰۃ/۴۱۸۔

اس منحوس تعصب کی وجہ سے خشکی وتری میں ہفت اقلیم میں عرب وعجم میں ایک فسادِ عظیم برپا ہے کتنے انصاف کے طالب نام نہاد عدالتوں کے چکر کاٹتے کاٹتے لقمۂ اجل ہوگئے لیکن ان کو انصاف نہ مل سکا، آزادی کی انتظار میں انسانیت سسک رہی ہے ان کو آزادی نصیب نہیں ہوئی اس تعصب کی چنگل میں انسانیت ایسی پھنسی ہوئی ہے کہ سسک سسک کر دم توڑ رہی ہے لیکن انسانوں کو انسانیت نصیب نہیں ہوئی، اسلام ایک ایسا منفرد ویکتا مذہب حق ہے جس نے تعصب کی مضبوط دیواروں کو ہلا دیا اور منظّم نظامِ حیات انسانیت کو بخشا اور انسانیت کی بقاء اسلام ہی کی مرہون ہے جس نے انسانیت کو حیوانیت ودرندگی، ظلم واستبداد تعصب وعصبیت سے باہر نکال کر جینے کا حق دیا اور صالح معاشرہ فراہم کیا اور حق وباطل ہدایت وگمراہی کے درمیان ایک خلیج قائم کی رب ذوالجلال نے بڑے عمدہ پیرائے میں ایک جامع سبق انسان کو دیا ہے۔ فرمایا:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (القرآن)

اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (آدم وحوا) سے بنایا اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا (محض اس لئے کیا) تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں جن چیزوں کا ذکر ہے ان سے تمام طرح کی عصبیت کی بیخ کنی ہوجاتی ہے۔ تعصب کی کئی شاخیں ہیں، حسبی ونسبی تعصب، قبیلہ پرستی وذات برادری کی عصبیت، لسانی ووطنی عصبیت ملکی وقومی عصبیت علاقائی وقومی عصبیت۔ مالداری وکثرتِ اولاد کی وجہ سے تفاخر وتعاظم اور غیروں کو حقیر وذلیل سمجھنے کا جذبہ ان ہی تمام عوارضِ قبیحہ کی وجہ سے مؤجزن ہوتا ہے ان تمام تر خرابیوں اور بیماریوں میں سب سے قبیح حسبی ونسبی تعصب ہے اس کے بعد قبیلہ پرستی وذات

برادری کا تعصب ہے، حسب ونسب کا تعصب تو اتنا شدید تھا کہ جو لوگ اپنے کو بزعم خود اونچا سمجھتے تھے اور جو برادریاں اپنے کو بہت اونچا و بے نظیر سمجھتی تھیں ان کی نظر میں ان کا غیر انسانیت کے مراتب حاصل کرنے کا حقدار نہیں ہوتا تھا لیکن یہ برادریاں ہندوستان میں برہمنوں وآریوں و آچاریوں کی ہوتی تھیں جن کی عبادت گاہوں میں دوسرے کو داخلہ کی اجازت نہ تھی جبکہ علی الصباح نیچ برادری کے کسی فرد کا گذر اس کے سامنے سے ہوجاتا تھا تو اس کو بدشگونی خیال کرتے تھے اور اس بیچارہ کو غلیظ گالیوں سے نوازا جاتا تھا وہ بیچارہ خاموشی سے گذر جاتا تھا، افسوس یہ بیماریاں مسلمانوں میں بھی داخل ہوئیں کیوں کہ یہ مسلمان بھی تو آباواجداد کے اعتبار سے ہندی ہیں آبائی واجدادی اثر ختم نہ ہوسکا اور ان مسلمانوں کا ذہنی فاسد مادہ بھی یہی رہا کہ وہ خاندان و برادری کے لوگ جو اونچے حسب ونسب واونچی برادری کے سمجھے جاتے تھے دوسری برادری کے لوگوں کو ان کے پائینتی بیٹھنے کا بھی حق نہ ہوتا تھا یہ ذہنی تباہ کن بیماری یہیں نہیں رُکی بلکہ ان برادریوں سے جو علماء پیدا ہوئے ان کے اندر بھی یہ بیماری بوجوہِ تمام موجود تھی بلکہ تعصب و عصبیت کے یہ حضرات سرغنہ بنے ہوئے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ اس تعصب نے امامت جیسے اہم منصب کو بھی نہیں بخشا چنانچہ آج بھی کتنے شہروں میں محض زبانی وطنی وعلاقائی عصبیت کی بناء پر امام کا انتخاب ہوتا ہے خواہ وہ لیاقت وصلاحیت کے اعتبار سے کچھ بھی ہو اور دوسرا عالم خواہ جید استعداد رکھتا ہو خطابت وموعظت میں مہارت رکھتا ہو تقویٰ و پرہیزگاری میں ممتاز ہو اس کو نظر انداز کردیا جاتا ہے۔ اسی طرح کی ایک مثال ملا علی قاریؒ نے بیان کی ہے کہ مثلاً کوئی عالم غریب وتنگ دست ہو اور یونہی کوئی شیخ طریقت لوگوں کی نظروں میں حقیر ہو تو کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا (ان کا کلام سننے کیلئے تیار نہیں ہوتا) ان کے برخلاف کوئی عالم یا کوئی شیخ مشہور ہو اور جاہ ومنزلت کے اعتبار سے لوگوں میں اس کا تعارف ہو تو اس کی بات قبول کی جاتی ہے اس کے فعل کی اتباع کی جاتی ہے اگرچہ یہ دوسرا اول الذکر سے علم میں کمتر عمل وتقویٰ کے اعتبار سے کمزور ہو اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے دین کا محافظ اور نبی کا مددگار ہے۔ مرقاۃ المفاتیح ۹/۴۲۳ باب فضل الفقراء وما کان من عیش النبی ﷺ ملا علی قاریؒ نے یہ شکوہ آج سے تقریباً چار سو پچیس (۴۲۵) سال قبل کیا ہے اور آج یہ مناظر ہماری بدقسمتی سے خوب پھل پھول رہے ہیں۔ والی اللہ المشتکی.

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں ان تمام تعصّبات خاندانی تفوق حسبی ونسبی تعلّی ذات برادری کی اونچ نیچ قومی وعلاقائی عصبیت کو عُصَبِیّتِ جاہلیت قرار دیا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ آیت کریمہ کا

شانِ نزول دیکھیں تو اس کی بنیاد بھی یہی ہے۔ شانِ نزول کے بارے میں تین قول ہیں:

(۱) امام زہریؒ فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے بنو بیاضہ قبیلہ والوں سے کہا کہ تم اپنے قبیلہ کی کسی لڑکی سے ابو ہند صحابی کا نکاح کردو انھوں نے جواب دیا کہ ہم اپنی لڑکیوں کا نکاح اپنے غلاموں سے کردیں یعنی غلاموں سے نکاح کرنے کو انھوں نے اپنے لئے عار سمجھا اس واقعہ کی وجہ سے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ زہریؒ فرماتے ہیں خاص طور سے یہ آیت ابو ہندؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ (ابو ہندؓ پیشہ کے اعتبار سے حجام تھے) مراسیل ابوداؤد/۱۲، الجامع الاحکام للقرطبی ۶۰۴/۸، الصاوی ۱۴۶/۴

(۲) ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ثابتؓ بن قیس بن شماس کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ قول ابن عباسؓ کا ہے ابن عباس فرماتے ہیں کہ ثابت بن قیس کچھ اونچا سنتے تھے صحابہ کرام حضور ﷺ کی مجلس میں سبقت کرنے کے باوجود ان کیلئے جگہ دیدیا کرتے تھے تو یہ ثابت حضور ﷺ کے پہلو کے قریب بیٹھ جاتے تھے تاکہ فرامین نبوی کو سن سکیں ایک دن یہ آئے تو ایک رکعت فجر کی ان سے فوت ہوگئی نماز سے فارغ ہوکر تمام صحابہ نے حضور ﷺ کے قریب اپنی اپنی نشست پکڑلی اور صحابہ کرام حضور ﷺ کی مجلس میں اس طرح بیٹھا کرتے تھے کہ درمیان میں کسی کے بیٹھنے کی گنجائش نہ رہتی تھی ثابتؓ بن قیس نماز سے فارغ ہوکر حضور ﷺ کی طرف آئے لوگوں کی گردن پھلانگتے ہوئے اور جگہ دو جگہ دو کہتے ہوئے، صحابہ نے ان کے لئے گنجائش دی اور یہ حضور ﷺ کے قریب پہنچ گئے مگر ان کے اور حضور ﷺ کے درمیان ایک اور صحابی تھے ان آگے کے صحابی سے ثابتؓ نے کہا کہ جگہ دو آگے والے صحابی نے جواب دیا میں اپنی جگہ بیٹھا ہوں تم اپنی جگہ بیٹھو ثابتؓ بن قیس غصہ کی حالت میں ان کے پیچھے بیٹھے اور کسی سے پوچھا یہ کون ہے جواب ملا کہ فلاں ہے ثابتؓ نے ان آگے والے صحابی کو یا بن فلانة کہا جس سے زمانۂ جاہلیت کی کوئی عار دِلانی مقصود تھی وہ آگے والے صحابی بہت شرمندہ ہوئے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یا بن فلانه کہنے والا کون ہے ثابتؓ نے عرض کیا میں یا رسول اللہ حضور ﷺ نے فرمایا ان سب کے چہروں کو دیکھو ثابت نے موجود تمام صحابہ کے چہروں کو دیکھا حضور ﷺ نے فرمایا ثابت کیا دیکھا عرض کیا کوئی سفید ہے کوئی سرخ ہے کوئی سیاہ ہے حضور ﷺ نے فرمایا دیکھو تم ان سے نہیں بڑھ سکتے مگر تقویٰ کی وجہ سے یعنی تمہارا تقویٰ اور پرہیزگاری ان سے بڑھ کر ہے تو تمہارا مقام عند اللہ اونچا ہوگا یہ دنیوی اونچ نیچ کی وقعت عند اللہ نہیں ہے۔

(الجامع الاحکام للقرطبی ۵۹۲/۸، ۶۰۵، الصاوی ۱۴۶/۴)

(۳) ایک قول یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان پڑھنے کا حکم دیا حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تو کفار مکہ میں سے عتاب بن اسید بن ابی العاص نے کہا اللہ کا شکر ہے جس نے میرے والد کو یہ برا دن دیکھنے سے قبل ہی اٹھالیا۔ حارث بن ہشام نے کہا اس کالے کوے کے سوا محمد کو کوئی مؤذن ہی نہ ملا سہیل بن عمرو نے کہا اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس کو بدل دیں۔ ابوسفیان جو ابھی اسلام قبول نہیں کئے تھے انھوں نے کہا میں کچھ نہیں کہتا مجھے خوف ہے کہ اس کی خبر آسمان کا رب محمد ﷺ کو دیدے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کفار مکہ کی یہ شرارت انگیز خبر حضور ﷺ کو دی آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور ان سے پوچھا کیا یہ باتیں تم سب نے کہی ہیں ان سب نے اقرار کیا۔ (تفسیر قرطبی ۶۰۵/۸، الصاوی ۱۴۶/۴)

آیت کریمہ کے شانِ نزول میں تینوں اقوال میں کسی ایک کو متعین کرنا تو مشکل ہے البتہ اکابر نے حضرت بلال کے واقعہ کو ترجیح دی ہے شان نزول خواہ کوئی بھی ہو تینوں صورتوں میں مشترکہ طور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل مکہ میں تعصب کی بنیادیں کتنی مضبوط تھیں محض رنگی وطنی علاقائی امتیاز کو بنیاد بنا کر کتنا سخت برا بھلا کہا گیا چنانچہ ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو حسب ونسب کے تفاخر مال ودولت کی کثرت، فقراء وتنگ دست کی حقارت کے جذبہ کی بناء پر زجر وتوبیخ کی کہ عظمت وفضیلت تفوق وتعلیٰ بلندی وسرفرازی کا مدار تقویٰ پر ہے چنانچہ آیت کریمہ کے اندر اعلان کردیا آج کے بعد کوئی یہ بات نہ کہے سب کی تخلیق آدم وحواء سے ہوئی اور تمہارے درمیان قومیت وقبیلہ محض ایک دوسرے کی پہچان کیلئے ہیں جیسے بہت سے لوگوں کا نام زاہد ہے تو کیسے معلوم ہو سائل کو کونسا زاہد مطلوب ہے اس کی معرفت خاندان و برادری وقبیلہ سے ہوگی کہ فلاں برادری وقبیلہ کا فلاں کا بیٹا مطلوب ہے۔

تعصب وتفاخر بدبختی ہے

حضرت امام ابوعیسیٰ ترمذی نے ابن عمر کی حدیث روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن خطبہ دیا فرمایا اے لوگو آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ آدمی جو عنداللہ کریم وشریف ہے اور دوسرا آدمی وہ جو فاجر وبدبخت ہو عنداللہ ذلیل وبے وزن اور تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد

ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اس کے بعد حضور ﷺ نے وہ یہی آیت شریفہ یایھا الناس الخ پوری تلاوت فرمائی (ترمذی ۱۶۲/۲، مسند امام احمدؒ بن حنبل ۵۲۴/۲) اور ایک روایت میں واضح طور سے ان تمام تعصّبات کی سخت انداز میں بیخ کنی کرتے ہوئے سیدنا محمد عربی ﷺ نے افضلیت کا مدار بزرگی و برتری کا مناط محض تقویٰ و پرہیزگاری کو قرار دیا۔

عَنْ اَبِی نَضْرَۃَ قَالَ حَدَّثَنِی اَو حَدَّثَنَا مَنْ شَھِدَ خُطَبَ رَسُولِ اللّٰہِ بِمِنٰی فِی وَسَطِ اَیَّامِ التَّشْرِیقِ وَھُوَ عَلٰی بَعِیرٍ فَقَالَ یَاأَیُّھَا النَّاسُ أَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وأنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیّ عَلٰی عَجَمِیّ وَلَا عَجَمِیّ عَلٰی عَرَبِیّ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی أَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ لِیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِب.

ابونضرۃ کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جو مقام منیٰ میں ایام تشریف کے درمیان میں حضور ﷺ کے خطبوں میں حاضر تھا درانحالیکہ آپ اونٹ پر سوار تھے آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو خبردار تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ (آدم) ایک ہے خبردار کسی عربی آدمی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر نہ کسی کالے وسیاہ آدمی کو کسی سرخ پر اور نہ کسی سرخ کو کسی سیاہ آدمی پر کوئی فضیلت ہے ہاں تقویٰ فضیلت کا مدار ہے پھر آپ نے صحابہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کیا میں نے پیغام الٰہی امت تک پہنچادیا؟ صحابہ نے جواب دیا جی ہاں آپ نے پہنچادیا آپ ﷺ نے فرمایا جو یہاں موجود ہے وہ اس تک پہنچادے جو موجود نہیں ہے۔ (روح المعانی ۱۶۴/۸ من روایت البیھقی والمردویہ، تفسیر قرطبی ۶۰۵/۸)

غور کیجئے ہادیٔ امت ﷺ نے اس مختصر پیغام کو تین مرتبہ کلمہ ألا سے مربوط کیا جو تاکید و تنبیہ کیلئے آتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سختی کے ساتھ بھید بھاؤ اونچ نیچ ہر طرح کی عصبیت کو ختم کردیا۔ چنانچہ اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابوذرؓ کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر تم کسی سرخ وسیاہ سے بہتر نہیں ہو ہاں تقویٰ و پرہیزگاری کی وجہ سے تم ان سے بڑھ جاؤ گے، رواہ احمد مشکوٰۃ /۴۴۳۔

ظاہری حسن و جمال بھی فضیلت و برتری کا مدار نہیں ہے

تفسیر قرطبی میں بحوالہ طبری حضرت مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے

فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسب ونسب کو نہیں دیکھتے اور نہ تمہارے جسموں و مالوں کو دیکھتے ہیں لیکن تمہارے دلوں (کے حال) کو دیکھتے ہیں پس جس کا دل صالح و نیک ہو اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہوتے ہیں اور بلاشبہ تم سب آدم کی اولاد ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تم میں وہ ہے جو بڑا متقی ہے۔ (قرطبی ۸/ ۶۰۵ کذا فی مسلم بلفظ غیرہ ۲/ ۳۱۷)

دورِ جدید نے جہاں انسان کو بہت سی ترقیات سے لطف اندوز کیا وہیں سفلی عادتوں اور جبلی فطرتوں کو خوب برانگیختہ کیا چنانچہ مذہب اسلام نے معاشرہ کو محبت ومؤدت الفت وانسیت کے ذریعہ متحد کیا اور آج انسان بکھرا ہوا منتشر ایک دوسرے سے نالاں شکوہ کناں دیکھا جارہا ہے اور بڑی بڑی خرابی تعصب وعصبیت قومیت و برادری کے بھنور میں ایسا پھنسا ہوا ہے کہ اسے آقاء نامدار محمد عربی ﷺ نے ملت محمدیہ سے خارج کردیا مگر مسلمان سمجھنے کیلئے تیار نہیں۔

تعصب کرنے والا امت محمدیہ سے خارج ہے

جبیرؓ بن مطعم سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو عصبیت کا داعی ہو اور عصبیت کی خاطر قتال وجنگ وجدل کررہا ہو اور جو تعصب کی خاطر قتال کرتا ہوا مرجائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

عن جبیر بن مطعم ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰی عَصَبِیَّۃٍ وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِیَّۃً وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ مَّاتَ عَلٰی عَصَبِیَّۃٍ. رواہ ابوداؤد، مشکوۃ / ۴۱۸۔

> رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی دعوت دی اور ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی خاطر قتال کیا اور ہم میں سے نہیں وہ جو عصبیت کی حالت میں مرگیا۔

یعنی جس وقت اس کا آخری وقت تھا اس وقت بھی وہ قوم وبرادری کی ظالم ہونے کے باوجود مدد کررہا تھا اور ظلم وتعدی کو ظلم نہیں سمجھ رہا تھا قومیت و برادری پر فخر کررہا تھا اسی حالت میں مرگیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کیلئے یہ وعید بیان فرمائی ہے۔

متعصب کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی

اگر یوں کہا جاوے کہ تعصب ناسور سے بھی بدتر ہے تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا کیونکہ ناسور جیسے

امراض تو دنیوی زندگی کو تباہ و برباد کرتے ہیں بلکہ ان امراض میں مبتلا انسانوں کو ایمان والوں کو اخروی ثواب سے نوازا جائے گا اور تعصب وعصبیت سے دنیا بھی برباد اور آخرت بھی، دنیا میں بھی رسوائی اور آخرت میں بھی۔ ایک تو اس وجہ سے کہ لوگ ان کو ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں دوسرے حضور اکرم ﷺ نے ان کو ملت بیضاء سے خارج کر دیا تیسرے دنیوی رسوائی اس طرح سے کہ مذکورہ حدیث و دیگر احادیث کے پیش نظر فقہاء نے چار طرح کے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنے کو ناجائز لکھا ہے حالانکہ یہ تمام مسلمان ہیں: (۱) امام عادل کے خلاف اسلامی حکومت میں بغاوت کرنے والے، (۲) ڈاکو، (۳) تعصب کی وجہ سے آپس میں لڑنے والے دو گروپ اور اسی حالت میں قتل ہو جائیں، (۴) شہر میں ہتھیار وغیرہ کے ذریعہ کسی بے گناہ کے قتل کے درپے ہونے والا یا مال غصب کرنے والا اور اسی حالت میں قتل ہو جائے۔ ان بدقسمت لوگوں کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ نماز پڑھی جائے گی تاہم یہ حکم اسی وقت ہوگا جب کہ یہ حضرات بغاوت کرتے ہوئے، ڈاکہ ڈالتے ہوئے، تعصب کی خاطر قتال کرتے ہوئے، شہر میں ہتھیار وغیرہ کے ذریعہ کسی بے گناہ کے قتل یا مال لینے کے فراق میں قتل ہو جائیں ورنہ اگر مذکورہ افعال کے صدور سے قبل یا بعد میں موت واقع ہو تو ان کو غسل بھی دیا جائیگا اور نماز بھی پڑھی جائے گی۔ (درمختار علی ردالمحتار (شامی) ۱/۶۴۲-۶۴۳)

لیکن یہ حکم چونکہ شہداء کا ہے کہ ان کو غسل نہ دیا جائے تو ان لوگوں کی مشابہت بالشہداء سے احتراز کی وجہ سے ان کو غسل دیا جائے گا اور نماز نہیں پڑھی جائے گی اور اسی پر فتویٰ ہے۔ تاتارخانیہ ۱/۶۰۷، ردالمحتار ۱/۶۴۳، اور ان کی نماز نہ پڑھنا اس لئے تاکہ لوگوں پر ان کی ذِلت واضح ہو جائے اور سبق حاصل کریں کہ یہ افعال قبیح اور قابل احتراز ہیں۔ شامی ۱/۶۴۲۔

تعصب کی وجہ سے آدمی کی ذلت و ہلاکت

ایک حدیث میں اپنی قوم کی ناحق مدد کرنے والے کو اس اونٹ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کنویں میں گر جائے اور اس کو دم پکڑ کر کنویں سے نکالا جائے۔ ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کے دو معنی بیان کئے ہیں کہ اس ظالم نے اپنی قوم کی ناحق مدد کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالدیا کیونکہ اس کا ارادہ نصرتِ باطلہ سے عزت وسرفرازی رفعت وبلندی تھا پس یہ گناہوں کے کنویں میں گر گیا اور اونٹ کی طرح ہلاک ہو گیا پس یہ ناحق مدد اس کے لئے ایسے ہی غیر نافع ہے جس طرح اونٹ کو کنویں سے دم پکڑ کر نکالنا۔ (۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ سیدنا محمد عربی ﷺ نے قوم کو ہلاک ہونے

والے سے اونٹ کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ جو حق پر نہیں ہوتا وہ تباہ و برباد ہی ہوجاتا ہے اور اس ناحق مدد کرنے والے کو اونٹ کی پونچھ (دم) کے ساتھ تشبیہ دی کہ جس طرح اس اونٹ کو دم کے بل کھینچ کر نکالنا ہلاکت سے نہیں بچاسکتا اسی طرح اپنی ظالم قوم کی ناحق نصرت کے ذریعہ اس قوم کو ہلاکت کے اس کنویں سے نہیں بچاسکتا جس میں یہ لوگ گر گئے ہیں۔ مرقاۃ المفاتیح ۹/ ۱۲۸۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن ابن مسعود عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ نَصَرَ قَوْمَهٗ عَلٰی غَیْرِ الْحَقِّ کَالْبَعِیْرِ الَّذِیْ رَوٰی فَهُوَ یُنْزَعُ بِذَنْبِهٖ. ابوداؤد ۲/ ۶۹۸، مشکوۃ/ ۴۱۸۔

ابن مسعودؓ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل فرماتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی قوم کی ناحق مدد کرتا ہے وہ اس اونٹ کے مانند ہے جو کنویں میں گر گیا اور اس کی دم پکڑ کر اس کو نکالا جائے۔

تعصب جسمانی و روحانی بیماریوں کا مخزن ہے

قارئین غور کریں کہ اس وبائی مرض کا منتہی صرف یہی نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ اس کی وجہ سے دوسرے امراض بھی پیدا ہوجاتے ہیں: (۱) حقوق العباد سے آدمی چشم پوشی کرتا ہے بلکہ عمداً ادا نہیں کرتا، (۲) حسد و بغض تجسس و تنافس کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، (۳) ظلم و تعدی کا دروازہ کھلتا ہے، (۴) الزام و بہتان تراشی و افتراء پردازی کا بازار گرم ہوجاتا ہے، (۵) ایک دوسرے کو ذلیل و حقیر اور نہایت گھٹیا بنا کر پیش کرنے کی کوششیں تیز تر ہوجاتی ہیں، (۶) چھوٹے بڑے کا فرق ختم ہوکر ادب و تعظیم سلام کر جاتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ تمام روحانی امراض متعدی ہوکر جسم تک ان کا نقصان پہنچتا ہے اس طرح کہ قتل و غارت گری ظلم و بربریت اپنے عروج تک پہنچتا ہے بسا اوقات نامعلوم کتنی جانیں تلف ہوکر حدیث کے بموجب دنیا و عقبیٰ کا خسران اپنے سر پر لاد کر لے جاتی ہیں۔ اس کی صدہا مثالیں تاریخ میں موجود ہیں کہ کس طرح تعصب و قبیلہ پرستی میں مبتلا اقوام پیوند خاک ہوگئیں اور آج ان کا نام لیوا کوئی نہیں۔ مذکورہ بالا امراض کو قدرے تفصیل سے پیش کرکے مضمون ختم کردیا جائے گا (انشاء اللہ)

حقوق العباد ادا کرنے کی قرآن و حدیث میں بہت زیادہ تاکید بیان کی گئی ہے حتی کہ علماء کرام نے مستقل تصانیف صرف حقوق العباد کے بارے میں لکھی ہیں اس اہتمام سے معلوم ہوتا

ہے کہ حقوق العباد ادا نہ کرنا ایسا جرم ہے جس کی بخشش خدا تعالیٰ کی عدالت میں نہیں ہوتی وہاں یا تو حق کو حق والے کو دیدیا جائے گا یا خود حق تعالیٰ معاف فرما کر صاحب حق کو ادا کریں گے مگر حق کی ادائیگی بہرحال ضروری ہوگی اس لئے اے ایمان والو حق کی ادائیگی دنیا میں ہی کرلو تاکہ آخرت میں مؤاخذہ ومحاسبہ سے بچ جائیں جہاں چھوٹی سی نیکی بہت بڑی غنیمت ہوگی۔

واعبدوالله ولا تشركو به شيئا وبالوالدين احسانا وبذى القربىٰ واليتٰمى والمساكين وابن السبيل وما ملكت ايمانكم ان اللّٰه لا يحب من كان مختالا فخورًا. النساء

اور بندگی کرو اللہ تعالیٰ کی اور شریک نہ کرو اس کا کسی کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں فقیروں اور ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ اور اپنے ہاتھ کے مال یعنی غلام باندیوں کے ساتھ بیشک اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آتا وہ جو اترانے والا اور بڑائی کرنے والا گھمنڈی ہے۔

آیت کریمہ سے خوب واضح ہے کہ حقوق ادا کرنا فرض ہے آیت کریمہ کے علاوہ اور بھی آیات ہیں جن میں حقوق ادا کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے آیت کریمہ کی تفسیر تفصیل کی جائے یہ اس کا مقام نہیں۔ بہرحال توحید باری کے بعد حقوقِ والدین کا تذکرہ ہے اور ان کے بعد رشتہ داروں یتیموں فقیروں، مسکینوں اور پڑوسی قریبی مسلم رشتہ دار پڑوسی غیر رشتہ دار غیر مسلم قریبی، پڑوسی مسلم دور کا ہو اور ہمنشیں ہم مجلس مسافر غلام باندیوں ماتحتوں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ پڑوسی تین طرح کے ہوتے ہیں ایک پڑوسی ایسا ہوتا ہے جس کے تین حقوق ہوتے ہیں اور ایک پڑوسی ایسا ہوتا ہے جس کے دو حقوق ہوتے ہیں اور ایک پڑوسی ایسا ہوتا ہے جس کا صرف ایک حق ہوتا ہے وہ پڑوسی جس کے تین حق ہوتے ہیں وہ پڑوسی ہے جو مسلم رشتہ دار ہو اس کیلئے پڑوس کا حق قرابت ورشتہ داری کا حق واسلام کا حق ہوتا ہے اور جس کے دو حق ہوتے ہیں وہ ہے جو پڑوسی اور مسلم ہو اس کیلئے اسلام اور پڑوس کے دو حق ہوتے ہیں اور جس کا ایک حق ہوتا ہے وہ پڑوسی ہے جو کافر ہو اس کو محض پڑوس کا حق ہوتا ہے یعنی پڑوس کی وجہ سے حسن سلوک کا مستحق ہوتا ہے۔

ورُوی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَنہٗ قَالَ اَلجِیرَانُ ثَلاثَۃٌ فَجَارٌ لَہٗ ثَلاَثَۃُ حُقُوقٍ وَجَارٌ لَہٗ حقَّان وَجَارٌ لَّہٗ حَقٌّ وَاحِدٌ فَاَمَّا الْجَارُ الَّذِیْ لَہٗ ثَلاَثَۃُ حُقُوقٍ فَالْجَارُ الْمُسْلِمُ الْقَرِیْبُ لَہٗ حَقُّ الْجَوَارِ وَحَقُّ الْقَرَابَۃِ وَحَقُّ الاِسْلاَمِ وَالْجَارُ الَّذِیْ لَہٗ حَقَّان فَھُوَ الْجَارُ الْمُسْلِمُ فَلَہٗ حَقُّ الْاِسْلاَمِ وَحَقُّ الْجَوَارِ وَالْجَارُ الَّذِیْ لَہٗ حَقٌّ وَّاحِدٌ ھُوَ الْکَافِرُ لَہٗ حَقُّ الْجَوَارِ. الجامع لِاحکام القرآن للقرطبی ۱۶۶/۳، الجامع الکبیر ۵۲/۶ کشف الخفاء ۳۲۸/۱ ۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا پڑوسی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک پڑوسی ایسا جس کے تین حقوق ہوتے ہیں اور ایک پڑوسی ایسا جس کے دو حق ہوتے ہیں اور ایک پڑوسی ایسا جس کا ایک حق ہوتا ہے بہرحال وہ پڑوسی جس کے تین حقوق ہوتے ہیں تو وہ پڑوسی ہے جو مسلمان قریبی ہو اس کے تین حقوق پڑوس قرابت و اسلام کی وجہ سے ہوتے ہیں اور وہ پڑوسی جس کے دو حق ہوتے ہیں تو وہ پڑوسی مسلم ہے اس کے دو حق پڑوس و اسلام کی وجہ سے ہوتے ہیں اور ایک حق والا پڑوسی کافر ہے اس کا ایک حق پڑوس کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ پڑوسی کون ہوتے ہیں۔ مذکورہ آیت کریمہ و حدیث شریف سے واضح ہوگیا کہ قریبی و بعیدی پڑوسی ہوتے ہیں اس کے علاوہ ہر چہار طرف کے چالیس گھر بھی پڑوسی ہوتے ہیں بلکہ پڑوسی کے اندر عمومیت ہے کہ پورا شہر بھی پڑوسی و پڑوس کہلاتا ہے یہ الگ بات ہے کہ بعض پڑوسی بعض پڑوسیوں سے درجہ میں اونچے و قریب ہوتے ہیں چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایک قوم کے محلّہ میں بود و باش اختیار کی میرا جو سب سے قریب پڑوسی ہے وہ مجھے تکلیف دینے میں سب سے زیادہ سخت ہے حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر و عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھیجا کہ جاؤ مسجدوں کے دروازوں پر کھڑے ہو کر اعلان کرو کہ چالیس گھر پڑوسی ہوتے ہیں اور جس کا پڑوسی اس کے شرور و فتن و مظالم سے مامون نہ ہو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ قرطبی ۱۶۶/۳۔

(۲) تعصب و عصبیت سے پیدا ہونے والے قبیح امراض میں سے حسد و بغض وغیرہ بھی ہے جس کی قرآن و حدیث میں سخت ممانعت آئی ہے۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ. اور (پناہ میں آیا میں) بدی سے برا چاہنے والے کی جب وہ

لگے ٹوک لگانے (معارف القرآن)

وَلَا تَجَسَّسُوا (القرآن) اور دوسروں کے عیبوں کو تلاش مت کرو۔

آدمی تجسس تبھی کرتا ہے جب وہ کسی سے حسد کرنے لگے حسد دوسرے کو برباد کرے یا نہ کرے مگر حسد کرنے والا تباہ و برباد ضرور ہو جاتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، حسد کہتے ہیں کسی پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھ کر کڑھنا جلنا اور یہ تمنا کرنا یہ نعمت اس سے دور ہو جائے۔

حسد گناہوں میں سب سے پہلا گناہ ہے

حسد ہی سب سے پہلا گناہ ہے جس کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی آسمان میں سب سے پہلے ابلیس ملعون نے معصیت کی اور دنیا میں سب سے پہلے معصیت حسد کی وجہ سے قابیل نے کی ہابیل سے حسد کر کے حاسد مبغوض ملعون دھتکارا ہوا ہوتا ہے چنانچہ بعض حکماء کا قول ہے حاسد پانچ وجوہات سے خدا تعالیٰ سے مبارزت و مقابلہ کرتا ہے: (۱) حاسد اس نعمت کو ناپسند کرتا ہے جو اس کے غیر کو حاصل ہوئی (۲) دوسرے قسمت خداوندی سے ناراض ہوتا ہے گویا کہتا ہے کہ یہ نعمت مجھے حاصل کیوں نہ ہوئی (۳) فعل خداوندی سے بغض و عناد رکھتا ہے (۴) اولیاء اللہ کی رسوائی کا ارادہ کرتا ہے (۵) یہ دشمن خدا ابلیس کی مدد کرتا ہے کیونکہ سب سے پہلے حسد اسی نے کیا تھا۔

بعض حکماء نے یوں کہا- کہ حاسد مجلسوں میں صرف شرمندگی ہی اٹھاتا ہے (مثلاً کسی مجلس میں کسی ایسے آدمی کی تعریف و تعظیم کی گئی جس کو یہ ناپسند کرتا ہے منع کرنے کی طاقت رکھتا ہے یا نہیں رکھتا پھر بھی اسے شرمندگی ہی اٹھانی پڑتی ہے اور فرشتوں کی لعنت و بغض اٹھاتا ہے اور خلوت و تنہائی میں محض گھبراہٹ و غم واندوہ میں مبتلا رہتا ہے اور آخرت میں حزن و ملال اور آگ کا جلنا ہی نصیب ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے غصہ و دوری حاصل کرے گا۔ الصاوی ۵۰۳/۴۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ تین چیزوں سے کوئی محفوظ نہیں رہتا: بدشگونی، بدگمانی، حسد سے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ان سے نکلنے کا راستہ کیا ہے، فرمایا جب تو بدشگونی کرے دوبارہ مت کر اور جب بدگمانی کرے اس کو ثابت مت کر اور جب حسد کرے تو ظلم مت کر۔ فتح الباری ۵۹۱/۱۰

عن الزهری قال حدثنی انس بن مالك ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا کونوا عبادًا لِلّٰهِ ولا یَحِلُّ لمسلم ان بهجر اخاه فَوق ثَلٰثَةِ اَیامٍ. وقال الحافظ بن حجر وزاد عبدالرحمن بن اسحاق عنه فیه ولا

تنافسوا و کذا وقعت فی روایۃ لِلمسلم عن الاعمش وفی روایۃ للمسلم ولا تقاطعوا. بخاری۲/۸۹۶، فتح الباری۱۰/۵۹۳، مسلم۲/۳۱۶۔

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں آپس میں ایک دوسرے سے بغض مت رکھو اور ایک دوسرے سے حسد مت کرو اور ایک دوسرے سے دشمنی مت کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہوکر رہو اور مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن (تین رات) سے زائد بولنا چھوڑ کر رکھے اور دنیوی ساز وسامان میں حرص بازی مت کرو۔

تین دن تین رات سے زائد ترکِ کلام وقطع تعلق جائز نہیں ہے ہاں اگر اس سے گفتگو وتعلق بحال کرنے میں دین میں مفسدہ کا خوف ہو یا خود کی جان مال وغیرہ کا خطرہ ہو تو اس سے ترکِ کلام جائز ہے اور بہت سی قطع تعلقی تکلیف اختلاط وتعلق سے بہتر ہوتی ہے۔ فتح الباری۱۰/۶۰۸۔

تین آدمیوں کی دعا قبول نہیں ہوتی

علماء نے تحریر فرمایا ہے کہ تین قسم کے بدبخت لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ جس کی غذا مال حرام سے ہو جو لوگوں کی غیبت میں بکثرت مبتلا رہتا ہو اور تیسرے وہ جس کے دل میں مسلمان کی خیانت اور حسد ہو۔ تفسیر قرطبی۱۰/۶۰۳۔

(۶) تعصب وعصبیت کی وجہ سے انسان ایک دوسرے کو ذلیل وگھٹیا سمجھتا ہے حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے اس کو سخت انداز میں منع فرمایا ہے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اس کو چاہئے مسلمان بھائی پر ظلم نہ کرے نہ اس کی مدد کرنا چھوڑے اور نہ اس کو حقیر سمجھے اور تقویٰ تو یہاں ہوتا ہے یہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ کہا اور اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کیا مطلب یہ ہے کہ فضیلت کا مدار تو تقویٰ ہے آدمی کے برا ہونے کیلئے اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو ذلیل سمجھے ہر مسلمان کا مسلمان پر حرام ہے اس کا خون بہانا (ناحق) اس کا مال (لینا یا ضائع کرنا) اور اس کی آبروریزی کرنا۔ مسلم۲/۳۱۷۔

(۷) تعصب کی وجہ سے آدمی ایک دوسرے کی عظمت و بزرگی کو نظر انداز کرکے اس کو ذلیل وحقیر سمجھتا ہے اور دوسرے کے سامنے اس کی ہجو کرتا ہے حالانکہ یہ تمام چیزیں معاشرہ کو تباہ و برباد کرتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا جو جوان کسی

بوڑھے کی اس کی درازیٔ عمر کی وجہ سے اکرام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عمر کے دراز ہونے کے وقت یعنی بوڑھاپے میں ایسا آدمی مقدر کردیتے ہیں جو اس کا اکرام کرے گا۔ ترمذی ۲۲/۴، مشکوٰۃ /۴۲۲۔

اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے اکرام میں سے ہے بوڑھے مسلمان کا اکرام کرنا اور حافظ قرآن کا اکرام کرنا جو قرآن میں غلو نہ کرتا ہو اور نہ قرآن سے دور ہو (یعنی قرآن پر عمل کرتا ہو) اور عادل بادشاہ کا اکرام کرنا۔ مشکوٰۃ /۴۲۳۔

اپنی قوم سے محبت کرنا مذموم نہیں

یہ بات بھی قابل ملحوظ ہے کہ تعصب وہی مذموم ہے جس میں آدمی اپنی قوم کی محبت میں قوم کے ظالم ہونے کے باوجود اس کی مدد کرتا ہے ورنہ اپنی قوم اور اقربار سے محبت کرنا ظلم کی ان سے مدافعت کرنا کوئی مذموم شئ نہیں بلکہ قابل تعریف ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو اپنے اقربار سے ظلم کی مدافعت ودفاع کرتا ہے۔ رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ /۴۱۸۔

اور حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اپنی قوم سے محبت کرنا بھی تعصب وعصبیت ہی کا حصہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! (یعنی قوم سے محبت کرنا کوئی برا نہیں اور نہ یہ تعصب کہلاتا ہے بلکہ) عصبیت یہ ہے کہ آدمی اپنی قوم کی ظلم پر مدد کرے۔ رواہ احمد وابن ماجہ، مشکوٰۃ /۴۱۸۔

❁ ❁ ❁

اصحاب رسول ﷺ کی عظمت شان

از: ڈاکٹر علامہ خالد محمود

اللہ تعالیٰ نے جس دین کو حضور ختمی مرتبت پر مکمل فرمایا اس کی تاریخ اصحابِ رسول ﷺ سے شروع ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اسلام کی گنتی شروع ہوئی اور حضرت عمرؓ پر اسلام کا پہلا چلہ پورا ہوا۔ سیدنا حضرت عثمانؓ بنواُمیہ کی سیادت اور وجہات سے رسولِ ہاشمی کے خدمت گزار بنے اور حضرت علی المرتضیٰؓ نبوت کے زیر سایہ جوان ہوئے۔ ان چار حضرات کے علاوہ اور کئی صحابہ بھی برسر اقتدار آئے (جیسے حضرت حسن، حضرت امیر معاویہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم) لیکن ان پہلے چار بزرگوں میں خلافت افضلیت کے ساتھ ساتھ چلی اس لیے ان چار حضرات کو جو شرف وکمال ملا وہ عقائد اہل السنۃ والجماعت کی اساس ہے اور اس کے گرد پہرہ دینا وہ اپنا دینی فرض سمجھتے ہیں۔ ان کے ذمہ ہے کہ وہ ان پاکبازوں کے گرد بچھائے گئے کانٹوں کو ایک ایک کر کے چنیں اور ابن آدم کو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو بطور طبقہ اخلاق فاضلہ کی جلا بخشی تھی اور انہیں کفر گناہ اور نافرمانی سے دوری صرف از حکم شریعت نہیں از راہ طبیعت حاصل ہو چکی تھی۔ شریعت کے تقاضے ان کی طبیعت بن چکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ان کے دلوں کی طلب اور زینت بنا دیا تھا۔ ہمارے اس عقیدہ پر قرآن کریم کی کھلی شہادت موجود ہے۔

ولكن الله حبب اليكم الايمان وزيّنه فى قلوبكم وكرّه اليكم الكفر والفسوق والعصيان أولئك هم الراشدون. (پ:۲۲، الحجرات)

ترجمہ: پر اللہ تعالیٰ نے محبت ڈال دی تمہارے دلوں میں ایمان اور کھبا دیا اس کو تمہارے دلوں میں اور لائق نفرت بنا دیا تمہارے دلوں میں کفر گناہ اور نافرمانی وہ ہیں راشدین.

ان تمام پیش بندیوں کے باوجود اگر اتفاق سے مسلمانوں کی دو جماعتیں باہم لڑ پڑیں تو وہ رہیں گی مومن ہی۔ ان کے اختلاف کا منشار غلط فہمی تو ہوسکتا ہے لیکن بدنیتی نہیں، سوء اعتقاد نہیں، ایمان اپنی بنیادی شان سے ان کے دلوں میں جگہ پا چکا ہے ان میں خون ریزی تک دیکھو تو بدگمانی

کوراہ نہ دو۔ یہ سب بھائی بھائی ہیں بدگمانی سے انتہا تک بچو۔

ان میں سے کسی بڑے سے بڑا گناہ دیکھو تو بھی بدگمانی نہ کرو۔ اس کا ظہور بتقاضائے فسق نہیں ہوا۔ محض اس حکمت سے وجود میں آیا ہے کہ اس پر شریعت کی ہدایت اُترے اور یہ لوگ تکمیل شریعت کے لیے استعمال ہوجائیں۔ آنحضرت ﷺ کا کسی وقت نماز کی رکعتوں میں بھولنا از راہ غفلت نہیں تھا اس حکمتِ الٰہی کے تحت تھا کہ لوگوں پر سجدہ سہو کا مسئلہ کھلے اور شریعت اپنی پوری بہار سے کھلے۔

سوا ایسے جو اُمور شانِ نبوت کے خلاف نہ تھے ان کے حالات حضور ﷺ پر ڈالے گئے اور جو گناہ کی حد تک پہنچتے تھے انہیں بعض صحابہؓ پر ڈالا گیا اور حضرت اس طرح تکمیل شریعت کے لیے بطور سبب استعمال ہوگئے ان حالات سے گزرنے کے بعد ان کا وہ تقدس بحال ہے جو انہیں بطور صحابی کے حاصل تھا اور ان کی بھی بدگوئی کسی پہلو سے جائز نہیں۔ اعتبار ہمیشہ اواخر امور کا ہوتا ہے۔ اس کے بغیر ان اُمور اور واقعات کی قرآن کریم سے تطبیق نہیں ہوتی۔ یہ بات بالقطع والیقین حق ہے کہ صحابہ میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو غیر ثقہ ہو یا جو دین میں کوئی غلط بات کہے۔ سرخیل محدثین حضرت علامہ عینیؒ (۸۵۷ھ) لکھتے ہیں:

لیس فی الصحابة من یکذب وغیر ثقة.(۱)

جب کوئی حدیث کسی صحابی سے مروی ہو اور اس کے نام کا پتہ نہ چلے تو وہ راوی کبھی مجہول الحال نہ سمجھا جائیگا، صحابی ہونے کے بعد کسی اور تعارف یا تعدیل کی حاجت نہیں۔

علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

ان جمعیهم ثقات مامونون عدل رضی فواجب قبول ما نقل کل واحد منهم وشهدوا به علٰی نبیّه صلی اللّٰه علیه وسلم.(۲)

ترجمہ: سب صحابہ ثقہ اور امانت دار ہیں عادل ہیں اللہ ان سے راضی ہوا ان میں سے ہر ایک نے جو بات اپنے نبی ﷺ سے نقل کی اور اس کے ساتھ اپنے نبی کے عمل کی شہادت دی (لفظاً ہو یا عملاً) وہ واجب القبول ہے۔

صحابیت میں سب صحابہ راشد اور مہدی تھے، مگر ان میں سے ایسے حضرات بھی ہوئے جو نظم اُمور سلطنت میں بھی راشد اور مہدی ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے اپنے بعد اپنی امت کو ان کے نقش پا پر چلنے کی دعوت دی۔

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین او کما قال النبی صلی اللّٰه

علیه و سلم.

یہ حضرات وہی نفوسِ قدسیہ ہیں جنہیں حضور ﷺ کے چار یار کہا جاتا ہے۔ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں۔ دیکھئے صراط مستقیم، ص: ۱۱۵

> طالب کو چاہیے کہ اپنے تہ دل سے اعتقاد کرلے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت سرور کائنات ﷺ کے چار بڑے یار رضی اللہ عنہم اجمعین تمام بنی آدم سے بہتر ہیں اور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ان کی آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت خلافت کی ترتیب کے موافق ہے مسلمان کو چاہیے کہ اسی ترتیب پر افضلیت کا اعتقاد رکھے اور وجوہ تفضیل کو نہ ڈھونڈے کیوں کہ وجوہ تفضیل کو ڈھونڈنا دین کے واجبوں اور مستحبوں میں سے بھی نہیں۔

ان چار یار کے علاوہ باقی صحابہ میں تفضیل کی یہ بحث نہیں۔ آسمان ہدایت کے سب ستارے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ ستارے ایک جیسے نہیں چمکتے، چمک ہر کسی کی اپنی اپنی ہے لیکن ہے ہر کسی میں روشنی اور تاب اندھیرا ان میں سے کسی میں نہ ملے گا۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ ہیں جو بطور طبقہ محمود ومنصور ہیں۔ عام طبقات انسانی میں اچھے بُرے کی تقسیم ہے، علماء تک میں علماء حق اور علماء سوء کی دو قطاریں لگی ہیں، لیکن صحابہ میں یہ تقسیم نہیں۔ صحابہ سارے کے سارے اچھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطن کی خبر دی ہے اور فرمادیا کہ کلمہ تقویٰ ان میں اُتار دیا گیا اور بیشک وہ اس کے اہل تھے:

والزمهم كلمة التقوىٰ و كانوا احق بها و اهلها. (پ:۲۶، الفتح، ع:۳)

حدیث میں کلمۃ التقویٰ کی تفسیر لا الہ الا اللہ سے کی گئی ہے۔ سو یہ بات ہر شک اور شبہ سے بالا ہے کہ کلمہ اسلام ان کے دلوں میں اُتارا گیا تھا اور اس کے لیے ان کے دل کی دُنیا بلاشبہ تیار اور استوار تھی کہ اس میں یہ دولت اُترے اور انہی کا حق تھا کہ یہ دولت پاجائیں۔

سو یہ حضرات ہم احاد امت کی طرح نہیں۔ ان کا درجہ ہم سے اُوپر اور انبیاء کرام کے نیچے ہے۔ انہیں درمیانی مقام میں سمجھو کہ یہ حضرات ہم پر اللہ کے دین کے گواہ بنائے گئے ہیں اور اللہ کا رسول ان پر اللہ کے دین کا گواہ ہے جس طرح کعبہ قبلہ نماز ہے یہ حضرات قبلہ اقوام ہیں:

وكذلك جعلناكم امّة وسطاً لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدًا. (پ:۲، البقرہ، ع:۱۷، آیت:۱۴۳)

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام مخلوق میں سے کسی کی تعدیل کے محتاج نہیں۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جو اُن کے باطن پر پوری طرح مطلع ہے ان کی تعدیل کر چکا ہے:

فلا یحتاج احد منهم مع تعدیل اللّٰه لهم المطلع علی بواطنهم الی تعدیل احدٍ من الخلق له. (۳)

ترجمہ: صحابہ میں سے کوئی بھی مخلوقات میں سے کسی کی تعدیل کا محتاج نہیں اللہ تعالیٰ جو اُن کے قلوب پر مطلع ہے اس کی تعدیل کے ساتھ اور کسی کی تعدیل کی ضرورت نہیں۔

ہر وہ قول اور فعل جو اُن سے منقول نہیں بدعت ہے۔ سو یہ حضرات خود بدعت کا موضوع نہیں ہو سکتے ان کے کسی عمل پر بدعت کا حکم نہیں کیا جا سکتا۔ حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

کل فعل وقول لم یثبت عن الصحابة رضی اللّٰه عنهم هو بدعة. (۴)

ترجمہ: دین کے بارے میں کوئی قول اور کوئی فعل جو صحابہ سے ثابت نہ ہو بدعت ہے۔

صحابی رسول حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (۳۶ھ) فرماتے ہیں:

کل عبادة لم یتعبدها اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فلا تعبدوها. (۵)

ترجمہ: دین کا ہر وہ عمل جسے صحابہ نے دین نہیں سمجھا اسے تم بھی دین نہ سمجھنا۔

جب دین انہی سے ملتا ہے تو ان حضرات کی تعظیم اس امت میں حق کی اساس ہوگی۔ انہی سے قافلۂ امت آگے بڑھا ہے اور پوری امت جمعہ اور عید کے ہر خطبہ میں ان کی ثنا خوانی کرتی آئی ہے۔ یہ حضرات حضور ﷺ کے ایسے وفادار رہے کہ ان کی مثال نہیں ملتی۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد:

دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا کہ صحابہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے راہِ حق میں کیا۔ انھوں نے اس محبت کی راہ میں وہ سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور پھر اس راہ سے انہوں نے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے۔

اہل حق ہمیشہ سے صحابہ کی عظمتوں کے گرد پہرہ دیتے آئے ہیں جہاں کسی نے شک کا کوئی کانٹا لگایا، اہل حق نے ان کے تزکیہ کی کھلی شہادت دی، جہاں کہیں تبرّا کی آواز اٹھی اہل حق تولا کی دعوت سے آگے بڑھے اور نفاق کے بُت ایک ایک کر کے گرا دیئے۔

---

(۱) عینی علی البخاری، ج:۲، ص:۱۰۵۔ (۲) کتاب التمہید، ج:۴، ص:۲۶۳۔ (۳) الکفایہ، ص:۴۶۔
(۴) تفسیر ابن کثیر، ج:۴، ص:۵۵۶ (۵) الاعتصام للشاطبی، ص:۵۴۔

یمن کے گورنر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

از: حمیداللہ قاسمی
جوری، سنت کبیر نگر (یوپی)

جب اہل یمن نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ آپ ایک ایسا آدمی بھیج دیجئے جو صرف امیر ہی نہ ہو، بلکہ معلّم بھی ہو، تو اس موقع پر آپ ﷺ کی نظر مبارک معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر پڑی، چنانچہ آپ نے ان کو اشارہ کر کے بلایا اور کہا کہ اے معاذ! تم یمن چلے جاؤ تمہاری وہاں ضرورت ہے، پھر آپ نے تبلیغ سے متعلق کچھ نصیحتیں فرمائی اور ان کو وہاں کا گورنر مقرر فرمادیا اور کہا کہ اے معاذ! واپسی میں شاید تم مجھ سے نہ مل سکو گے، یہ سننا تھا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے آنسو بہہ پڑے آپ ﷺ کے بھی آنسو شدت محبت کی وجہ سے بہہ پڑے، پھر جب روانہ ہونے لگے، تو حضور ﷺ پیدل چل رہے تھے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سواری پر تھے، حضور ﷺ ساتھ ساتھ چل کر نصیحت بلکہ وصیت فرمارہے تھے، اے معاذ! لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا، مشکلات پیدا نہ کرنا، انہیں خوشی ومسرت کا پیغام سنانا، ایسی کوئی بات نہ کرنا جس سے انہیں دین سے نفرت ہوجائے۔

اس سفر کا منظر بھی عجیب تھا کہ محبوب پیدل چل رہے تھے اور محبّ سوار، جی ہاں! حضور ﷺ پیدل تھے اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے۔

اس وقت سرکار دوعالم ﷺ کتنے خوش تھے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر مجھے فیصلہ کرنے کے لیے قرآن وسنت میں کوئی چیز نہ ملے تو اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، حضور ﷺ کو اس جواب سے اتنی خوشی ہوئی تھی، کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اللہ کے رسول ﷺ کے فرستادہ کو اس چیز کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔

پھر اس وقت وہ حالت بھی عجیب تھی، کہ جب حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے معاذ! ہوسکتا ہے آج کے بعد تم مجھ سے پھر نہ مل سکو، شاید واپسی میں تمہارا گذر

میری مسجد اور قبر کے پاس ہی سے ہوگا۔

یہ سننا تھا کہ اس عاشق صادق کے پاؤں سے زمین نکل گئی اور زار وقطار رونے لگے، روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنا رائے انور مدینہ منورہ کی طرف پھیر لیا اور یہ ارشاد فرمایا: "ان اولی الناس بالمتقون حیث کانوا ومن کانو" یعنی میرے قریب ترین وہ لوگ ہیں جو متقی ہوں جہاں بھی ہوں اور جو بھی ہوں۔

چنانچہ یہی ہوا کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن سے واپس آئے تو سرکار دو عالم ﷺ دنیا سے پردہ فرما چکے تھے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی قبر پر حاضر ہو کر رو رہے تھے۔

یہ خوبرو، خوش اخلاق، کشادہ دست، کریم النفس، خوش بیان اور شیریں بیان معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائذ الانصاری ہیں، جو اٹھارہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے اس وقت تک آنحضرت ﷺ نے مدینہ ہجرت نہ فرمائی تھی، یہ مدینہ سے جا کر مشرف باسلام ہوئے تھے، بیعت عقبہ میں شریک ہونے والے ستر جلیل القدر صحابہ میں سے ایک یہ بھی تھے۔

اٹھارہ سال کی عمر، ابھرتی جوانی، سینہ میں موجزن ارمان، دنیا میں گھسنے کا خیال اور مستقبل کے عزائم کو پختہ کرنے کا زمانہ، مگر اسلام لانے کے بعد انھوں نے اپنی زندگی تبلیغ اسلام، تعلیم قرآن اور شرک کے خاتمے کے لیے وقف کردی، چنانچہ حضرت عمرو بن حموح بن جموح رضی اللہ عنہ کو بت پرستی اور بتوں سے متنفر کرنے والوں میں ان کا بھی کردار تھا۔

دین کے مسائل سیکھنے اور قرآنی علوم پڑھنے میں اس طرح لگ گئے کہ ان کو دینی علوم میں مہارت تامہ حاصل ہوگئی، پھر سرور کائنات ﷺ نے ان کے بارے میں وہ بشارت دی جس پر وہ بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔

جماعت صحابہ میں آپ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ زبانِ نبوت ترجمان حقیقت سے آپ کو یہ سند عطا ہو "اعلم امتی بالحلال والحرام معاذ بن جبل" کہ میرای امت میں سب سے زیادہ حلال وحرام سے واقف معاذ بن جبل ہیں۔

مسروقؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں آیت پاک "اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ" پڑھی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ معاذ بھی ایک امت تھے، اللہ کے فرمانبردار تھے، ان کے متعلق آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا، جانتے ہو ''امت'' وہ شخص ہے جو لوگوں کو خیر کی باتیں سکھاتا ہے۔ (فتح الباری جلد ۸، صفحہ ۴۹۴)

....کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو وہاں میں نے گھنگریالے بالوں والے ایک نوجوان کو بیٹھا ہوا دیکھا اور لوگ اس کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے، جب وہ گفتگو کرتا تو یوں معلوم ہوتا کہ جیسے اس کے منہ سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں اور موتی بکھر رہے ہیں، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟

لوگوں نے بتایا کہ یہ معاذ بن جبل ہیں...اسی طرح ابومسلم خولانی کا بیان ہے کہ ایک روز میں دمشق کی جامع مسجد میں آیا تو وہاں عمر رسیدہ صحابہ کرام تشریف فرما تھے اور ان میں ایک نوجوان سُرمیلی آنکھوں والا اور چمکیلے دانتوں والا تھا، جب یہ حضرات کسی بات میں اختلاف کرتے تو یہ لوگ اس نوجوان کی طرف رجوع کرتے۔

میں نے پوچھا یہ جوان کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ معاذ بن جبلؓ (ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن، لقب امام الفقہاء ہے) ہیں، پھر ان سے بڑھ کر حضور ﷺ نے ان کو خوش نصیب افراد میں شامل فرمایا اور وہ کتابت قرآن کے شرف سے مشرف ہوئے، یہ ان پر اعتماد کامل اور علم کی پختگی کی ایک دلیل تھی، اسی طرح فتح مکہ کے بعد جب لوگ گروہ در گروہ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے، تو ان میں مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کے لیے آپ ﷺ کی نظر انتخاب انہی پر پڑی اور انہیں کو اس کام کے لیے متعین فرمایا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے متعلق نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے "معاذ امام العلماء یوم القیامة برتبة" معاذ کو قیامت کے دن علماء کی پیشوائی حاصل ہوگی اور ایک بڑا درجہ ان کو ملے گا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے علم کی گہرائی اور گیرائی عطا کی تھی، تو جہاں انھوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور حضور ﷺ سے عشق محبت اور سنت کی پیروی میں کوتاہی نہ کی، تو وہیں حقوق العباد کی رعایت بھی بڑی شدت سے فرماتے رہے، چنانچہ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کی دو بیویاں تھیں، جب ایک کی باری ہوتی تو دوسری کے گھر میں پانی تک نہ پیتے اور نہ وضو فرماتے۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ وہ اس عظیم خوبی سے بھی بہرہ ور تھے جس کو اپنا کر مسلمانوں نے عظمت حاصل کی تھی، جس خوبی کی بدولت مسلمانوں کا دبدبہ، شان وشوکت اور نام تھا اور جس کو چھوڑنے کے بعد مسلمان پستی کی اتھاہ گہرائی کی طرف مسلسل رواں دواں ہیں اور جہاں دیکھو مسلمان ذلت ورسوائی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

میرے قابل احترام اساتذۂ کرام

(۲)

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہی

برد اللّٰہ مضجعہ

از: مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

اس سے پہلے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا ذکر آچکا ہے اور جیسا کہ لکھا تھا کہ ان سے درسِ نظامی کے آخری سال دورۂ حدیث کی کتاب بخاری شریف پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

میری عربی تعلیم کی ابتدا حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے ہوئی۔ گویا حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ داستانِ حرم کا آغاز اور مولانا مدنیؒ اس کی انتہا کہئے۔ اس لئے مولانا مدنیؒ کے ذکر کے بعد حضرت الاستاذ مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے تعلق سے زمانۂ طالب علمی کے کچھ تجربات اور مشاہدات تحریر میں لائے جارہے ہیں کہ یہ حضرت الاستاذ سے قلبی تعلق کا تقاضا بھی ہے اور آنے والی نسلوں کے لئے اس میں کچھ لائق فکر گوشے بھی انشاء اللہ سامنے آئیں گے۔

دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ فارسی وریاضی سے فارغ ہونے کے بعد جب عربی تعلیم کا مرحلہ آیا تو حضرت والد صاحبؒ مجھے مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے پاس لے گئے اور عربی تعلیم کے لئے مجھے ان کے سپرد کردیا۔

مجھے اب تک یاد ہے کہ مولانا چونکہ ناظم تعلیمات بھی تھے، اس وقت ان کا دفتر اہتمام کے دفتر سے بالکل متصل وہاں تھا جہاں عرصے تک ماہنامہ دارالعلوم کا دفتر رہا ہے۔ ایک بڑا سا ڈیسک مولانا کے سامنے رکھا ہوا تھا اور دونوں طرف بڑی بڑی تپائیاں فائلوں سے اور کاغذات سے بھری ہوئی تھیں۔ پہلی بار مجھے وہیں بلایا گیا تھا، میں عربی کی پہلی کتاب میزان الصرف لے کر دفتر تعلیمات کے کمرے میں داخل ہوا، ایک باوقار اور بارُعب چہرہ میرے سامنے تھا، میں سلام کرکے ادب کے ساتھ شیخ الادبؒ کے سامنے بیٹھ گیا، مولانا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

پھر فرمایا کتاب لائے ہیں...؟

میں نے عرض کیا...جی ہاں!

میں نے کتاب سامنے رکھی...مولانا اشتیاق احمد صاحب کے اردو حاشیے والی بہت عمدہ چھپی ہوئی میزان الصرف تھی۔

حضرت نے کتاب دیکھ کر فرمایا...مولوی صاحب! اور انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ اردو حاشیے والی ہے، کل سے آپ دوسری کتاب لے کر آئیں۔

اصل میں حضرت اردو حاشیہ اور اردو شروحات سے طلبہ کو سختی کے ساتھ منع کرتے تھے کہ ان سے استعداد پیدا نہیں ہوتی، اس لئے حضرت نے مجھے اردو حاشیے والی میزان لانے سے منع فرمادیا۔ اگلے روز میں دوسری کتاب لے کر آیا جس میں حاشیہ فارسی تھا۔

بعد میں میرے ساتھ مولانا خورشید عالم صاحب اور حسیب صدیقی صاحب بھی شامل ہوگئے اور ہم تینوں کی ایک چھوٹی سی جماعت بن گئی۔ ہمیں پڑھانے کی جگہ اور وقت کئی مرتبہ بدلتے رہتے تھے، کبھی حضرت دارالحدیث میں پڑھاتے تھے، کبھی کسی اور درسگاہ میں اور کبھی اپنے کمرے میں جو احاطۂ مسجد میں مسجد کے صدر دروازے کے پاس تھا اور اس کی کھڑکیاں باہر سڑک پر کھلتی تھیں یہ بڑا وسیع اور ہوادار کمرہ تھا اور حضرت کی قیامگاہ یہی کمرہ تھا۔

کبھی کبھی ہمارے ساتھ سبق میں ایک بنگالی طالب علم بھی شامل ہوجاتے تھے، یاد پڑتا ہے ان کا نام ابوالقاسم تھا، ان کی زبان بنگالی تھی، اردو پر پوری طرح قادر نہ تھے اس لئے بڑی دلچسپ باتیں ہوا کرتی تھیں...غائب کے صیغے میں ''ھُو'' ضمیر سے ان کو بڑی دلچسپی تھی، جب بھی یہ صیغہ آتا تھا وہ اس میں ھُو ضمیر کا ذکر کرتے اور شیخ الادب جھلا کر فرماتے ہاں بھئی ہاں! اس میں ھُو ضمیر چھپی ہے...ایک دن پھٹے ہوئے صفحہ میں سے دوسرے صفحہ پر ھُو ضمیر لکھی ہوئی مل گئی اور ابوالقاسم زور سے چلائے حضرت ھُو کی ضمیر یہاں چھپی ہے۔

ایک شعر بھی انھوں نے کہہ رکھا تھا جو ان کے خاص لہجے کی وجہ سے بڑی مشکل سے ہماری سمجھ میں آسکا۔ شعر ہمیں اب بھی یاد ہے، بڑے مزے کا شعر تھا۔

میں نے تمہیں بند کیا کنول کی پنکھڑیوں میں
اس نئے بندھن سے تم کبھی چھٹ نہ سکو گے

وہ ''چھٹ'' کو ''سٹ'' پڑھتے تھے، بڑی مشکل سے شعر سمجھ میں آیا، پھر تو ایک کھلونا مل گیا۔

❁ حضرت شیخ الادب صاحب انتہائی مصروف انسان تھے رات کے چند گھنٹے سونے کے

علاوہ ان کا کوئی وقت خالی نہیں تھا۔ اکثر بڑی بڑی کتابیں پڑھاتے تھے جن میں دورۂ حدیث کی کتاب ترمذی بھی ہوتی تھی۔

ان کی مصروفیت کا عالم یہ تھا کہ مسجد کے اپنے کمرے سے نکل کر نماز کی پہلی صف میں شامل ہونے کے لئے جاتے جاتے بھی وہ پڑھاتے جاتے تھے، بعض طلبہ کو یہی وقت دے رکھا تھا کہ جب کمرے سے نکل کر نماز کے لئے چلوں تو اس وقت پڑھ لیا کرو۔

اس بے پناہ مصروفیت کے باوجود وہ ہمیں بالکل ابتدائی کتاب پڑھانے کے لئے کیسے راضی ہوئے، صرف اس مُروّت میں کہ وہ ہمارے دادا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے شاگرد تھے۔

پڑھاتے بہت محنت اور توجہ سے اور پڑھانے کا طریقہ بھی بڑا دل نشین ہوتا تھا۔ صرف ونحو کے ہر قاعدے کا مثالوں میں اجرا کراتے تھے، پڑھاتے وقت ہاتھ کی حرکت اور اشاروں سے بھی کام لیتے تھے مثلاً ایک مرتبہ انھوں نے ہمیں پڑھایا کہ: جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ. آیا جاڑا مع لحافوں کے۔ اس کو پڑھاتے وقت دونوں ہاتھوں سے ایسا اشارہ کیا جیسے کسی چیز کو سمیٹتے ہیں، ان کے ہاتھ کی یہ حرکت اور ان کا معصومانہ انداز آج بھی جیسے نگاہوں میں گھومتا ہے۔

❁ ان کو اس بات پر کوئی جھجک نہیں ہوتی تھی کہ دورۂ حدیث کے کسی سبق کے بعد دارالحدیث میں ہی وہ ہمیں عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھانے لگتے تھے اور دورۂ حدیث کے طلبہ بھی حیرت کے ساتھ دیکھتے تھے کہ ابھی ترمذی پڑھا رہے تھے اور اب میزان پڑھا رہے ہیں۔

❁ طرزِ تعلیم کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ الادب صاحبؒ ذہنی تربیت کے بھی ماہر تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے میری کسی کتاب کا، یاد پڑتا ہے شاید کافیہ تھی، امتحان لیا، مجھ سے کوئی سوال کیا، میں نے اس کا جواب دیا جو بعد میں معلوم ہوا کہ جواب غلط تھا۔ انھوں نے کئی بار الٹا الٹا کر مجھ سے پوچھا کہ مولوی صاحب جو آپ کہہ رہے ہیں، آپ کو یقین ہے کہ آپ وہ صحیح کہہ رہے ہیں...؟ میں ہر مرتبہ پورے اعتماد کے ساتھ یہی کہتا رہا کہ جو میں کہہ رہا ہوں بالکل صحیح ہے۔ حضرت نے مجھے پورے نمبر دیے اور بعد میں بتایا کہ آپ کا جواب غلط تھا، صحیح جواب یہ ہے۔ مگر یہ آپ کے خود اعتمادی کے نمبر ہیں۔ طالب علم کو اپنی بات پر پورا اعتماد ہونا چاہئے۔

❁ حضرت شیخ الادب صاحبؒ نوعمر بچوں سے کبھی جسمانی خدمت نہیں لیتے تھے، چند بڑے طلبہ تھے جو سر میں تیل کی مالش کرتے تھے۔ ہم نے کئی مرتبہ پیر دبانے کی کوشش کی، سختی کے ساتھ روک دیا بلکہ نصیحت کی کہ لڑکوں سے کبھی جسمانی خدمت مت لینا۔ شاید اسی نصیحت کا اثر تھا

کہ ہم نے عرصے تک دارالعلوم کے درجہ فارسی میں کم عمر طلبہ کو پڑھایا مگر ان سے جسمانی خدمت نہیں لی۔

❁ حضرت شیخ الادب صاحبؒ کی بڑی اخلاقی خصوصیات تھیں جس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ ہمیشہ سلام میں پہل کیا کرتے تھے، چھوٹے بڑے ہر ایک کو خود پہلے سلام کرتے تھے اور اس معاملے میں اتنے تیز تھے کہ کوشش کے باوجود ہم پہل کرنے میں ناکام رہتے تھے۔

طلبہ کے ساتھ بڑی محبت اور ہمدردی رکھتے تھے۔ کوئی طالب علم بیمار ہوجائے اور شیخ الادب صاحبؒ کو پتہ لگ جائے تو اس کے کمرے میں مزاج پرسی کے لئے پہنچ جاتے تھے اور اگر دیکھتے تھے کہ ضرورت مند ہے تو چپکے سے اس طرح مدد کرتے تھے کہ اس کی خودداری کو ٹھیس نہ لگے، پورے دارالعلوم کی فضاؤں میں ان کے اخلاق کا ایک خاص اثر تھا۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں پڑھنے کے زمانے میں زیادہ ذہین نہیں تھا، مگر میں نے ذہانت کی کمی کو محنت سے پورا کیا اور ایک کتاب کو کئی کئی بار پڑھا۔ جیسی محنت تعلیم میں خود کرتے تھے چاہتے تھے کہ دوسرے بھی ایسی ہی محنت کریں۔

❁ جب ہم نے حضرت شیخ الادب صاحبؒ سے پڑھنا شروع کیا تو ہماری عمر بہت کم تھی۔ نوعمری کی وجہ سے غیر مناسب باتیں بھی ہوجاتی تھیں۔ ایک مرتبہ پتنگ لوٹنے کے چکر میں حضرت کے کمرے کے سامنے سے گذرے جس کی کھڑکی مہمان خانے کے سامنے سڑک پر کھلتی تھی، حضرت نے ہمیں دیکھ لیا۔

اگلے دن دو تین ہلکے ہلکے چپت لگائے اور ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے اپنے مخصوص انداز اور لب ولہجے میں کہ ''مولی صاحب، مولی صاحب'' یہ حضرت کا خاص تکیہ کلام تھا ''آپ پتنگ لوٹتے ہیں؟ ہم آپ کے دادا صاحبؒ کی نسبت سے ہیں۔ ہمارے بزرگوں میں نسبتوں کا لحاظ پاس اور اس کی رعایت ہمیشہ ایک روایت کے طور پر رہی ہے۔ استاذوں کی عزت، یہاں تک کہ استاذ زادوں کی قدر اور ان کی منزلت کا خیال ہمارے اکابر کا ایک خاص مزاج ہے۔

❁ حضرت شیخ الادب صاحبؒ بہت ٹھوس استعداد رکھتے تھے، ان میں علمی بصیرت اور گہرائی تھی اس کے ساتھ یہ بھی حیرت کی بات نہیں ہے کہ ہمارے اکثر اکابر کی طرح ان میں شعر وادب کا اچھا خاصا پاکیزہ ذوق تھا۔ اور شعر وسخن میں بھی انھوں نے اپنے استاذ محترم شیخ الہند مولانا محمود حسن عثمانی دیوبندیؒ سے اصلاح لی ہے۔ ان کے چند اشعار بطور نمونہ ذیل میں درج ہیں:

مانا کہ تاکنا میرا فسق وفجور تھا زلفوں کا دامن تم کو بچھانا ضرور تھا
کس نے کہا کہ وادیٔ غربت میں تھے جدا دل سے بہت قریب تھا گو جسم دور تھا
اس دل میں حسرتوں کے سوا کچھ نہیں رہا جو دل کہ تم کو دیکھ کے وقفِ سرور تھا
ہلچل زمیں پہ مچ گئی افلاک ہل گئے یا رب کسی کی آہ تھی یا نفخِ صور تھا
تیری نشیلی آنکھ نے بے خود بنادیا اعزاز ورنہ صاحبِ عقل وشعور تھا

غزل کے کچھ اشعار جن میں قدیم روایات کی پاس داری کے ساتھ جدت کا رنگ بھی پایا جاتا ہے، لکھتے ہیں:

کچھ ہوش ہے اے ساقی فرزانہ کسی کا لبریز ہوا جاتا ہے پیمانہ کسی کا
ہم آپ سے جاتے رہے سنتے ہوئے جس کو افسوس تھا الٰہی کہ وہ افسانہ کسی کا
اعزاز تیرا حال سنادے کوئی اس کو ہم دیکھتے ہیں حوصلہ ایسا نہ کسی کا

اردو کے علاوہ عربی وفارسی میں بھی آپ نے اشعار کہے ہیں۔

❁ مولانا کے بہت سے مضامین ماہنامہ ''القاسم'' اور ''الرشید'' میں چھپتے رہے ہیں۔ آپ نے دیوانِ حماسہ پر عربی میں حاشیہ لکھا، دیوانِ متنبّی کا عربی حاشیہ بھی آپ کے قلم سے ہے اس کے علاوہ نفحۃ العرب جو عربی ادب کی کتاب ہے اور مدارس کے نصاب تعلیم میں شامل ہے آپ نے مرتب فرمائی۔

❁ نظم وضبط کے اور اوقات کے آپ بہت پابند تھے۔ انتہائی مجبوری کے علاوہ کبھی سبق ناغہ نہیں کرتے تھے۔ جس دن آپ کی اہلیہ کا انتقال ہوا، تو ہم ساتھیوں نے سوچا کہ آج تو چھٹی رہے گی جنازے کے ساتھ ہم قبرستان گئے اور تدفین کے بعد کچھ ہم نے کھیلنے ویلنے کے پروگرام بنالیے۔ مگر کہاں جناب ایک گھنٹہ کے بعد ہی چپراسی پیغام لے کر آیا کہ حضرت بلا رہے ہیں، آکر سبق پڑھ لو۔ ناسمجھی کا زمانہ تھا، ہماری کم فہمی دیکھئے کہ سوچتے رہ گئے کہ بڑے میاں کو آج بھی چین نہیں ہے، مگر سبق تو پڑھنا ہی پڑا... چہرے پر سوگواری ضرور تھی مگر علم کا یہ شیدائی اپنے غم کو بھول کر دوسروں کو علم کی دولت بانٹنے میں لگا ہوا تھا۔

❁ اُسی زمانے کی بات ہے حضرت کے پاس کہیں سے کسی بڑی ملازمت کی پیش کش آئی جس میں تنخواہ بھی ایک ہزار روپے تھی اور دارالعلوم کی تنخواہ غالباً پچاس ساٹھ روپے رہی ہوگی۔ معقول تنخواہ کے علاوہ دوسری رعایتوں کی بھی پیش کش تھی، مگر اس بے نیاز ہستی نے جس کے

سامنے علم کی دولت تھی نہ کہ دنیا کے مال و دولت۔ جواب میں لکھا:

''آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا۔ مگر اب تو یہ دل چاہتا ہے کہ اسی چٹائی پر بیٹھا رہوں۔''

چٹائی پر بیٹھ کر اس شخص نے وہ خدمت کی، ہزاروں ہزار طلبہ کو پڑھایا، اخلاق سے مزین کیا کہ بڑی بڑی تنخواہ والے اس خاک نشین پر رشک کرتے رہیں گے۔

❁ ❁ ❁

آپ کا آبائی وطن امروہہ ضلع مرادآباد ہے۔ آپ کا تعلق کمبوہ برادری سے تھا۔ مجھے ایک مرتبہ حضرت نے اپنے بڑے بھائی کے پاس میرٹھ کسی کام کے لئے بھیجا تھا، بڑے مہذب اور ذی علم تھے۔ رہن سہن سے اندازہ ہوا کہ پس ماندہ لوگ نہ تھے۔ ولادت کی تاریخ یکم محرم الحرام ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۲ء، جمعہ کا مبارک دن، صبح صادق کے قریب بدایوں میں پیدا ہوئے۔ یہاں آپ کے والد ملازمت کے سلسلے میں رہائش پذیر تھے۔

کچھ عرصے کے بعد آپ کے والد بدایوں سے شاہ جہاں پور آگئے جہاں آپ نے میاں قطب الدین صاحب سے قرآن پاک کے بیس سپارے ناظرہ پڑھے، اس کے بعد حضرت قاری شرف الدین صاحب سے قرآن پاک حفظ کیا۔

اردو، فارسی کی ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ پھر مولانا مقصود علی صاحب سے فارسی کی کچھ کتابیں اور میزان سے لے کر شرح جامی تک کی کتابیں پڑھیں۔

اس کے بعد شاہ جہاں پور کے مدرسہ عین العلم میں داخل ہو کر مولانا شبیر احمد مرادآبادی، مولانا عبدالحق قابلی اور مولانا کفایت اللہ دہلوی سے تعلیم حاصل کی۔

اس کے بعد مولانا کفایت اللہ صاحب کے مشورے سے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، ہدایہ اوّلین، میر قطبی اور دوسری بعض کتابیں پڑھ کر اگلے سال اپنی ہمشیرہ سے ملاقات کے لئے میرٹھ تشریف لے گئے اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کے اصرار پر میرٹھ ہی میں چار سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔

اس کے بعد پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ہدایہ آخرین، بیضاوی، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ کتابیں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے یہاں پڑھیں۔

فنون کی بعض کتابیں مولانا رسول خاں ہزاروی سے جب کہ ادب کی کتابیں حضرت مولانا

سید معز الدین صاحب سے پڑھیں۔ فتویٰ نویسی کا فن حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ سے سیکھا۔

۱۳۲۰ھ میں دارالعلوم دیوبند سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد تقریباً ۵۴ سال درس وتدریس سے متعلق رہے۔ مدرسہ نعمانیہ بھاگلپور میں سات سال، مدرسہ افضل المدارس شاہ جہاں پور میں تین سال مدرس رہے۔

۱۳۳۰ھ میں پچیس روپے مشاہرے پر دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے اور تادمِ آخر ۱۳۷۴ھ تک دارالعلوم دیوبند میں درس دیتے رہے۔

❁ روحانی تزکیہ وتربیت کیلئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دست مبارک پر بیعت کی اور اجازت وخلافت حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی طرف سے عطا ہوئی۔

❁ کئی درسی کتابوں کے حاشیے آپ نے تحریر فرمائے جن میں ''حماسہ'' اور ''متنبّی'' کا ذکر اوپر آچکا ہے اس کے علاوہ فارسی میں نورالایضاح کا حاشیہ لکھا، حاشیہ کنزالدقائق تحریر فرمایا، مفیدالطالبین اور تلخیص المفتاح پر بھی آپ نے حاشیے لکھے۔

❁ شیخ الادب صاحبؒ ایک انتہائی پختہ استعداد کے مدرس، ممتاز عالم دین، علوم وفنون میں یکتائے روزگار اور باخدا شخصیت۔ آپ کو اللہ نے بے شمار امتیازی صفات عطا کی تھی، زندگی بھر تشنگان علم وعرفان میں وراثت نبوی تقسیم فرماتے رہے... مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودیؒ آپ کی سوانح حیات ''تذکرۃ الاعزاز'' کے نام سے لکھی تھی، وہ نایاب ہوچکی ہے۔

❁ آپ کے اس ارشاد پر اس تحریر کو ختم کرتے ہوئے حسرت ویاس کے ساتھ اس وقت کو یاد کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سعادت نصیب کی تھی کہ میں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے، آپ کی شاگردی نصیب ہوئی۔ کاش میں اس وقت سے پورا فائدہ اٹھاپاتا اور ایسے باکمال استاذ کی قدر کرتا۔ آپ نے وقت کے بارے میں ایک بات ارشاد فرمائی کہ:

> ''جو زمانہ گذر چکا وہ ختم ہوچکا اس کو یاد کرنا عبث ہے اور آئندہ زمانے کی طرف امید کرنا بس امید ہی ہے، تمہارے اختیار میں تو وہی تھوڑا وقت ہے جو اس وقت تم پر گذر رہا ہے۔''

❁ حضرت الاستاذ بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ مجھے اب تک ایک منظر یاد ہے، تقسیم انعامات کا جلسہ ہورہا تھا، حضرت ہر ایک طالب علم کا نام لے کر اس کے حاصل کردہ نمبر پڑھ کر سنارہے تھے، میرا نام آیا، قدوری کا سال تھا اور اس سال میں نے تمام کتابوں میں اچھے نمبر لیے

تھے جس کی وجہ سے مجھے خصوصی انعام ملنا تھا۔ حضرت نمبر پڑھتے جاتے تھے، چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا میری طرف مسکرا کر دیکھتے تھے جیسے اپنے شاگرد پر فخر کر رہے ہوں۔ مگر!

دیکھئے قسمت کی خوبی ٹوٹی کہاں کمند

ایک چھوٹا سا رسالہ منطق کا ''اِیساغوجی'' اس کا امتحان مولانا معراج الحق صاحبؒ کے پاس تھا اور میں اتفاقاً اس امتحان میں غیر حاضر رہ گیا۔ میں نے اس چھوٹے سے رسالے کو کوئی خاص اہمیت نہ دی، مگر وہی چھوٹا سا رسالہ میرے گلے کی ہڈی بن گیا اور میرا خصوصی انعام ملتے ملتے رہ گیا۔

❁ حضرت شیخ الادب صاحبؒ کا وصال ۱۳۷۴ھ میں ہوا۔ موت اپنی جگہ برحق ہے، وہ اپنے وقت پر آکر رہتی ہے۔ لیکن یہ حساس انسان ایک ایسا صدمہ اپنے ساتھ لے کر گئے جس نے ان کو موت کے دروازے تک پہنچا دیا۔

ہوا کہ کسی صاحب نے اپنا پی-ایچ-ڈی کا مقالہ مولانا کے پاس تصحیح کے لئے بھیجا۔ ایک صاحب جو مولانا کے بہت قریب تھے انھوں نے اس کو چپکے سے اڑا لیا۔ ان صاحب کی برسوں کی وہ کاوش تھی، مولانا کو اس کا بڑا صدمہ تھا کہ وہ شخص مولانا کو خائن سمجھے گا۔ اسی صدمے میں بیمار ہوگئے، بار بار زبان سے یہی الفاظ نکلتے تھے ''مولوی صاحب وہ کیا کہے گا، مولوی بے ایمان نکلا'' آخر یہ صدمہ حضرت کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔

وہ دنیا سے تشریف لے گئے جس پر شقاوت کی مہر لگنی تھی لگ گئی، لیکن ایسے انسان صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارے دینی مدرسوں نے ایسی بہت سی شخصیات ملت کو دی ہیں مگر اب ان کا اوسط بہت کم ہوتا جارہا ہے۔ ہم اپنے ان اکابر کو یاد کر کے صرف ان کے ساتھ عقیدت کا اظہار ہی نہیں کرتے بلکہ اِس تمنا کا اظہار کرتے ہیں کہ اُن جیسے ہی نہ سہی مگر ان سے ملتے جلتے ان کے نقش قدم پر چلنے والے، ان کے طریقوں کو اپنانے والے، ان کی زندگی کو رہنما بنانے والے لوگوں کی ہمیں پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔ وما ذٰلك على الله بعزيز.

قبرستان قاسمی میں مولانا کا مدفن جیسے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ایک ہی اعزاز علی کیوں...؟ اور کیوں نہیں...؟۔

❁ ❁ ❁

(رباعیات)

''ذکرِ نصیر''

نتیجۂ فکر: ولی اللہ ولی قاسمی بستوی
استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم
اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر

نمونۂ اسلاف، پیکرِ علم وعمل، جناب حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب بلند شہریؒ

سابق شیخ الحدیث، صدر المدرسین ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

پیکرِ علم وعمل تھے ، شیخ مولانا نصیر مشعلِ راہِ عمل تھے ، شیخ مولانا نصیر
گلشنِ علم وہنر کے اک شگفتہ پھول تھے ایک تابندہ کنول تھے ، شیخ مولانا نصیر

حاملِ فیضانِ رحماں ، زینتِ دارالحدیث رونقِ محفل رہے وہ ، رنگتِ دارالحدیث
مسندِ علم وہنر کو وہ لگائے چار چاند ان سے دوبالا رہی ہے، عظمتِ دارالحدیث

میکشوں کو دے رہے تھے ، بادۂ علم وہنر دے رہے تھے طالبوں کو، علم کے لعل وگہر
قیمتی موتی لٹاتی تھی زبانِ دُر فشاں شامِ ظلمت کے لئے تھے، علم کی نوری سحر

نازشِ صحنِ چمن تھے ، رونقِ باغ علوم ناز فرماتا تھا ان پر گلشنِ دارالعلوم
وہ تھے قندیلِ فروزاں ، مطلعِ نورِ عمل مادرِ علم وہنر میں ہر طرف ان کی تھی دھوم

وہ رہے ہیں مدتوں ، قسّامِ میراثِ رسول گلشنِ علم وہنر کے وہ رہے خوش رنگ پھول
تھی طبیعت میں نفاست، تھے مدرس کامیاب تھے کشادہ دل ، وسیع العلم ، پابندِ اصول

ان کا سینہ علم وفن کا موجۂ ذخّار تھا ہاں وجودِ پاک ان کا رونقِ گلزار تھا
عشق کی گرمی سے جو معمور تھا آٹھوں پہر ان کے سینے میں دھڑکتا وہ دلِ بیدار تھا

ان کی پیشانی پہ روشن ، معرفت کا نور تھا ان کا باطن ،عشق کے اسرار سے معمور تھا
دل تھا فکرِ آخرت میں ہر گھڑی ڈوبا ہوا اور دنیا کی محبت سے وہ کوسوں دور تھا

درس اور تدریس تھا محبوب ان کا مشغلہ دینِ رحمت کی اشاعت کا رہا ہے حوصلہ
نامِ حق پر زندگانی کا رہا جاری سفر خیریت سے کر رہے تھے طے وہ ہر ہر مرحلہ

خوش ادا ہر موڑ پر تھے ، قیمتی ہر بات تھی ان کی ہر مجلس میں ارزاں علم کی سوغات تھی
جلوۂ باری سے روشن، دن کے سب اوقات تھے معرفت کے نور سے معمور ان کی رات تھی

ہے ''ولی'' کی یہ دعا اے خالقِ ربّ قدیر قبر میں آرام پائیں خوب ، مولانا نصیر
تربتِ مرحوم میں ، فردوس کی آئے بہار حشر کے میدان میں بن جائے تو ان کا نصیر

❁ ❁ ❁

مکتوب حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہٗ

خلف الصدق حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ

مکرمان ومحترمان وبہی خواہان مدارس ومکاتب ومشائخ سلسلہ حضرت تھانوی وحضرت مدنی وحضرت شاہ عبدالقادر وحضرت شیخ نوراللہ مراقدہم اوران کے خلفاء اوران کے خلفاء کے خلفاء ومبرانِ دارالعلوم دیوبندوسرپرستان مدرسہ مظاہرعلوم ومہتممان مدرسہ ونظماء مدارس۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ باعافیت ہے امید ہے کہ آپ باعافیت ہوں گے۔ مدارس ومکاتب کے عملہ کے سدھار کی بھی ضرورت ہے اور طلباء کے بھی اور علاقہ کے مسلمانوں کے گھرانوں کے سدھار کی بھی ضرورت ہے کسانوں مصالحہ والوں اور کپڑوں والوں کی خصوصاً عمومی تاجروں کی عموماً سدھار کی ضرورت ہے آج کا کسان اور تاجر زکوٰۃ روک رہا ہے اور سود لے کر کھیتی اور گنا تیار کررہا ہے تبلیغ والے خانقاہ والے سب وہی سود والا غلہ اور سود والی شکر کھاتے ہیں ان تاجروں کو سمجھا کر زکوٰۃ کا اہتمام کرائیں سود سے بچنے کی تاکید کریں سرکار نئی نئی تدبیروں سے سود بانٹ رہی ہے ان کو معلوم ہے مسلمانوں کے کاروبار میں سود لگوادو تو اسکا بھٹہ بیٹھ جائے گا اور اپنا فائدہ ہوجائے گا میں اوپر کے حضرات کے توسط سے سبھی امت سے درخواست کرتا ہوں کہ زکوٰۃ دے کر مال کو پاک کرے اور سود سے بچ کر کاروبار چاہے کھیتی ہو چاہے گنا ہو مصالحہ کا کاروبار ہو تمام حلال طریقہ پر مہیا ہو ہماری دعاؤں میں جان پڑے اور ظالموں اور جابروں سے نجات حاصل ہو۔ مدرسوں میں اس کی شایان شان عملہ نہیں وہاں بھی سدھار لانے کی ضرورت ہے۔ داڑھی کٹی ہوئی انگریزی لباس انگریزی بال ایسا عملہ مدرسہ کے شایان شان نہیں داخلہ کے وقت طلباء کی بہت چھان بین ہوتی ہے وضع قطع بھی دیکھی جاتی ہے لباس پر بھی نظر ہوتی ہے اور داخلہ کے بعد کوئی نگرانی نہیں۔ وضع قطع بھی بگڑ جاتی ہے انگریزی بال ہوتے ہیں داڑھی متاثر ہوجاتی ہے ٹخنے بھی ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں اوپر والے حضرات سے درخواست کرتا ہوں سبھی حضرات اپنے مدرسوں پر کڑی نظر رکھیں تاکہ طلباء صحیح تیار ہوکر صحیح عالم بن کر امت کا مقتدا بن سکیں اور طلباء میں دروازہ بند ہوجانے کے بعد نگراں کے جانے کے بعد غلط کتابوں کا مطالعہ ہوتا ہے جوان کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے اور اس وقت نگراں کا وقت بھی نہیں ہوتا نظماء کا بھی آرام کا وقت ہوتا ہے اس کا کوئی حل کرنا چاہئے، تبلیغ ہو تعلیم ہو تذکیر ہو ہر وقت نگراں نہیں ہوگا ہم سب خود اپنے اوقات کو ضائع کرنے سے بچائیں اور اللہ تعالیٰ مجھے اور احباب واکابر کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔